THE

MAHSHAR-I-KHAYAL

محشرِ خیال دہلی

ایڈیٹر: عبداللہ فاروقی
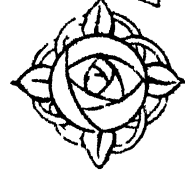
بہترین تاریخی مضامین اور دلچسپ نظموں کا باتصویر مجموعہ

قیمت فی پرچہ :- دو آنے

سالانہ ایک روپیہ

DELHI- March 1931

No

آسمانِ سیاست کا آفتاب
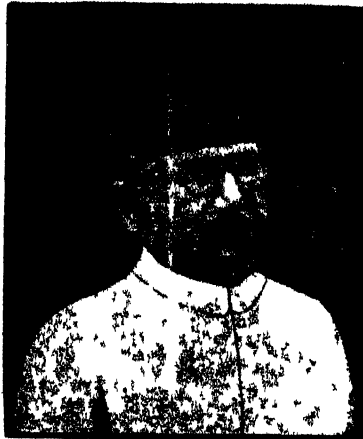
مولانا ابوالکلام "آزاد" جو کانگریسی پروگرام پر غور کرنے والی میٹنگ میں شرکت کے لئے دہلی آرہے ہیں

جو جلاوطنی کے ایام اٹلی میں بسر کر رہے ہیں

طوطی ہند مسٹر آصف علی بیرسٹر

دہلی

یعقوب حسن صاحب قوال دہلی

جنکو گورنمنٹ نے ڈیڑھ دو سال

قید کر دیا

ہندوستان کی ایک سو سالہ سیاست!

سیاست ہند

لارڈ ارون سابق وائسرائے ہند، سر رابرٹ ہالینڈ، سر کیمبل رہوڈس، سر تھیوڈور ماریسن (سابق پرنسپل علیگڑھ کالج)
وغیرہ وغیرہ اور لارڈ زٹلینڈ سابق گورنر بنگال کے خیالات اور مضامین اگر آپ ہندوستان کی ملکی سیاست کے متعلق معلوم
کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور پڑھیئے۔ اس میں اہم تاریخی حوالے مستند واقعات اور ذمہ دار آراء درج ہیں اردو زبان کی
سب سے پہلی کتاب ہے۔ ملکی سیاسی مسائل میں دلچسپی لینے والے قومی کارکنوں کانگریسیوں اسمبلی و کونسل کے اراکین و جلسوں میں تقریر
کرنے والوں نیز مضمون نگاروں کیلئے خصوصاً کالج و اسکول کے طلبہ کیلئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔ اور انہیں اس سے
پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ گزشتہ ایک صدی یعنی ۱۸۳۳ء سے لیکر ۱۹۳۳ء تک ہندوستان کے سیاسی ارتقا کی یہ ایک مجمل تاریخ
ہے اور سب سے پہلی دفعہ شائع ہوئی ہے تین سو پچاس صفحوں کی عمدہ کاغذ کی ضخیم کتاب ہے بہترین طباعت و کتابت کے ساتھ صرف
...روپیہ میں آٹھ آنہ ہی ملتا ہے۔ اور ملاحظہ فرمائیے ورنہ ختم ہو جائیگی۔ ملنے کا پتہ:- مینیجر رسالہ "محشر خیال" جامع مسجد دہلی

واحد مرکز

شمالی اور جنوبی ہند کی کل قدیم اور جدید مطبوعات
درسی قانونی قلمی کتب کے بیش بہا ذخیرہ کا واحد مرکز ہمارا
مکتبہ ہے جو آپ کو ہر قسم کی کتابیں ہر
وقت فراہم کر سکیگا!

فہرست مفت طلب فرمایئے

مہتمم مکتبہ ابراہیمیہ (محدود)
حیدرآباد
دکن

نگران
مسٹر اسجاد دہلوی بی۔ اے
مسٹر قائد بی۔ اے

بہترین ماہانہ باتصویر رسالہ

محشرِ خیال (دہلی)

ایڈیٹر
عبداللہ فاروقی۔

جلد (۱) | فہرست مضامین بابت ماہ مارچ ۳۴ء | نمبر ۳

عرضِ مدعا

از عبداللہ فاروقی

پھر دیر ہوگئی

گذشتہ مہینے اعلان کیا گیا تھا کہ مارچ کا "محشر خیال" ار مارچ کو شائع کیا جائے گا۔ لیکن ندامت اور افسوس کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ ....

.... میں ایسا نہیں کر سکا۔"

اگر کوئی مجھ سے دریافت کرے کہ ایسا کیوں ہوا تو میں یہی کہونگا کہ بلاک بنوانے میں اور تصاویر تلاش کرنے میں جسقدر زحمت اور کوفت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ میں خود ہی کر سکتا ہوں۔ ایک روپیہ میں ایک سال تک "محشر خیال" کو مطالعہ فرمانے والے دوستوں کو میری دشواریوں اور مجبوریوں سے کیا واسطہ۔

جبکہ وہ میری مقرر کردہ قیمت ادا کر کے رسالہ کو پڑھتے ہیں میں کوشش کر رہا ہوں کہ "محشر خیال" ہر انگریزی مہینے کی یکم تاریخ کو شائع ہو جایا کرے۔ انشاء اللہ بہت جلد اس مشکل پر قابو پالونگا۔ اس لئے ہفتہ عشرہ کی تاخیر ہو جانے پر معافی چاہتا ہوں۔

شاید دیر ہو جائے

اپریل کا "محشر خیال" جلد از جلد شائع کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ ار اپریل کو میں چند روز کیلئے دہلی سے ذاتی ضروریات کیلئے باہر جا رہا ہوں۔

جب سے میں نے محشر خیال جاری کیا ہے۔ ایک روز کیلئے بھی کہیں نہیں گیا۔ مگر یہ ضرورت ہی اتنی اہم ہے کہ جس کے لئے ایک عشرہ تک دہلی سے غیر حاضری رہے گی میرے بعد "محشر خیال" کے جملہ انتظامات میرے دوست "مشیر عزیز" سابق ایڈیٹر "اخبار منادی" سر انجام دیں گے۔ جو بیس سال سے اخباری دنیا میں کام کر رہے ہیں۔

محشر خیال کی مقبولیت

خدائے رحمٰن الرحیم کا کس زبان اور کون سے قلم سے شکریہ بجا لاؤں۔ جس نے محشر خیال کو میری امیدوں سے زیادہ مقبول عام بنا دیا۔ محشر خیال کی ترتیب۔ طباعت کتابت نظم و نثر مضامین کی کثرت اس کے لئے خود بخود جگہ حاصل کر رہی ہے۔ جہاں جہاں نمونے جاتے ہیں۔ سالانہ قیمت کے منی آرڈر چلے آتے ہیں۔ مگر اس حالت میں بھی ایک سو روپیہ ماہانہ کا نقصان برداشت کر رہا ہوں یہ نقصان اسی صورت سے پورا ہوگا۔ کہ اس کے لئے جلد خریدار پیدا کئے جائیں۔

ایک روپیہ سالانہ میں اتنے اچھے رسالہ کی خریداری سے کوئی بھی پس و پیش نہیں کر سکتا۔

میں چاہتا ہوں کہ ایک سال کے اندر "محشر خیال" کے دس ہزار خریدار ہو جائیں۔

مضامین بھیجئے

"محشر خیال" میں ہر قسم کے مضامین مذہبی، تاریخی، سیاسی، ادبی، درج ہو سکیں گے۔ بشرطیکہ معیار بلند ہو۔

اس لئے اہل قلم حضرات سے التماس کرتا ہوں کہ محشر خیال کے لئے مضامین لکھکر مزید شکریہ کا موقع دیجئے مضامین قیمتاً بھی خریدے جاسکتے ہیں۔ اس کے لئے ایڈیٹر کے نام خط لکھکر معاملہ طے کر لیجئے۔

(پتہ) ایڈیٹر "محشر خیال" دہلی کافی ہے)

ایم۔ اے تورانی

احمد آباد میں ہمارے خاص ہمدرد جناب حکیم ایم اے تورانی صاحب ہیں جو محشر خیال کی بیش از بیش امداد فرما رہے ہیں انکی اس اعانت کے ہم شکرگذار ہیں۔

(از عبداللہ فاروقی)

کشمیر میں عدل و انصاف کا جنازہ

اخباری اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر فروری تک کشمیر کی چنگیز خانی حکومت نے ۱۹۰۹ مظلوموں کو سزائے تازیانہ دی۔ ۷۱ کو جلا وطن کیا۔ اور ۲۸ شہید کردیئے گئے اور ہزاروں کو قید کیا گیا ہے۔

یہ ہیں اس سرزمین بے آئین کے اعداد و شمار جہاں سے عدل و انصاف کا جنازہ نکل چکا۔ اور یہ سب کچھ انگریزی وزیر اعظم کی موجودگی میں ہوا۔

کشمیر کے مسلمان اپنے جائز حقوق چاہتے ہیں انکو خانماں برباد کیا جاتا ہے۔ کشمیر کے مسلمان بدن ڈھانکنے کیلئے کپڑا اور پیٹ بھرنے کیلئے روٹی مانگتے ہیں۔ انکو تازیانہ لگائے جاتے ہیں۔ اگر وہ ان مظالم کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں تو انکو شہید کیا جاتا ہے۔ عورتوں اور بچوں کو بے تحاشہ وحشیانہ سزائیں دی جاتی ہیں۔

پنجاب کے مسلمان غیور اور کامل الایمان ہیں جو کشمیری مظلوم بھائیوں کے لئے سرتن کی بازی لگا چکے ہیں۔ یو۔ پی دہلی، بنگال، بمبئی کے مسلمانوں کو شرم و ندامت کے سمندر میں غرق ہو جانا چاہئے۔ جنکی رگ حمیت کو جوش نہیں آتا

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ

قابل توجہ جمیعۃ علمائے ہند

بیشک جمیعۃ علماء ہند ان حق پرست ایثار پیشہ علماء اور مجاہدین پر مشتمل ہے جن کے لئے مسلمانان ہند فخر و ناز کرسکتے ہیں۔

مگر چند وقعات کے پیدا ہو جانے سے مسلمانوں کے دلوں میں چند شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔

تحریک الور میں جمیعۃ علماء نے اپنی جانبازی کا کرشمہ نہیں دیکھایا گذشتہ مظالم کشمیر کے خلاف مجاہدانہ اقدام نہیں کیا۔ موجودہ مظالم کشمیر کے لئے اب تک صدائے احتجاج بلند نہیں کی۔ ظالم و جابر والیان ریاست کے خلاف جمیعۃ علما خاموش رہتی ہے۔

یہ ہیں وہ چند شکوک جو مسلمانوں کے دلوں کو بے چین کئے ہوئے ہیں۔ ظلم ہر حال میں ظلم ہے وہ کشمیر میں بپا کیا جائے یا حیدرآباد میں جور و ستم کے مٹانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ وہ ہندو پر کیا جائے یا مسلمان پر امید ہے کہ جمیعۃ علماء اس معاملے سے مسلمانوں کو مطمئن کر کے ان کے شکوک کا ازالہ کرے گی۔

بمبئی کا مہمل اخبار خلافت

وہ تو خدا بھلا کرے مولانا سید مرتضیٰ صاحب بہادر قبلہ کا جنہوں نے خلافت کی صدارت قبول فرما کر اس مردہ لاش میں جان ڈالدی۔

ورنہ بمبئی خلافت ہاؤس میں پڑے رہنے والے اور مفت کی روٹیاں کہانے والے خلافت کا سائن بورڈ تک نیلام کردیتے۔ یہ لوگ جن میں قوت عمل بالکل نہیں۔ خلافت اخبار کو بار بار زندہ کرتے ہیں۔ اور اسکی عدم مقبولیت کا ڈھنڈورا ہی پیٹتے ہیں۔ اے نادانوں دنیا اب ایسی بیوقوف نہیں رہی کہ وہ آزاد زمیندار جیسے بہترین اخباروں کو چھوڑ کر خلافت جیسے جھگڑے کو خریدے۔

جس کی قیمت بہی زیادہ ہے۔ طباعت وکتابت بہی خراب جسکا عملہ بہی نابلد۔ جس میں پرانی خبریں اخبارات میں سے کاٹ کاٹ کر لکہائی جاتی ہیں ابہی دس مارچ کے پرچے میں زمیندار کی ایک نظم نقل کردی اور حوالہ تک نہیں دیا۔ ہم مولانا شوکت علی صاحب کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ ایسے ناتجربہ کار لوگونکو اخبار سے علیحدہ کردیں کہ جنکو دنیا میں نہ رزق ہے نہ موت۔

ریاستِ اندور سے نکل جاؤ

یہ عجیب وغریب نادر شاہی حکم اندور کے عاقبت نااندیش حکام نے حضرت مولانا محمود احمد صاحب صدیقی کے لئے نافذ کیا ہے۔

مولانا موصوف عرصہ دراز سے مسلمانان مالوہ کی دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مالوہ کے مسلمان مولانا کو رہبر اعظم سمجہتے ہیں۔

ہم حکومت اندور کو مخلصانہ طور پر مطلع کرتے ہیں کہ وہ اس قسم کی پابندیاں مولانا کی ذات سے ہٹالے کیونکہ جو ہیجان اور بے چینی وہاں کی پبلک میں پائی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایجیٹیشن کی صورت اختیار نہ کرلے اور پہر حکومت اندور کے لئے خرابی کا باعث ہو۔

ہندوستان کا سب سے ارزاں اخبار

جسقدر جدتیں اور نئی نئی ترقیاں اخبارات اور رسائل میں پائی جاتی ہیں۔ وہ سب حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی ایجاد کردہ ہیں۔ رسول نمبر۔ سالنامے۔ سب سے پہلے خواجہ صاحب نے ہی شائع کئے۔ اور خواجہ صاحب نے ہی اخباروں اور رسائل کی قیمتیں کم کرکے اور انکو تجارتی لائن پر چلا کر ہندوستان میں اخبار بینی کا ذوق پیدا کیا ہے آجکل جو رسائل مرصع اور مزین ہوکر صرف ایکروپیہ سالانہ میں بنہایت کامیابی سے ملک میں شائع ہورہے ہیں وہ سب خواجہ صاحب کے مرہون منت ہیں۔

رسائل کی قیمت ایکروپیہ سالانہ مقرر کرنا خواجہ صاحب کی سنت ہے۔ آجکل خواجہ صاحب کا ہفتہ وار اخبار "منادی" صرف دو پیسے میں دہلی میں فروخت ہوتا ہے جس میں علاوہ دوسری خوبیوں کے تصاویر اور نقشے بھی ہوتے ہیں۔ اور بڑے سائز کے چوبیس صفحات پر چھپتا ہے۔ مضامین بہی عمدہ ہوتے ہیں۔ اس اخبار میں خواجہ صاحب کا روزنامچہ بہی شائع ہوتا ہے۔ جو علمی، ادبی، اخلاقی، سیاسی، معلومات کا بہترین مجموعہ ہے۔ جہاں ایسے ایسے اخبار نکلتے ہیں وہاں "خلافت" جیسا ذلیل اور لغو اخبار بہی شائع ہوتا ہے۔ جس کا دہلی جیسے شہر میں ایک بہی خریدار نہیں اور "منادی" دہلی میں کئی ہزار فروخت ہوتا ہے،

اُوجین کی نازک صورتحال

ہندوستان کے بعض والیان ریاست بڑے ہی احمق اور ناسمجہ ہوتے ہیں۔ جو ابتدا میں کسی معاملہ کی اہمیت کو نہیں سمجہتے اور اپنے قریب رہنے والے خوشامدی۔ غدار۔ لوگوں کے ہاتہ میں کٹ پتلی بنے رہتے ہیں۔ اور جب پانی سر سے گزر جاتا ہے تب پچہتاتے ہیں

اوجین میں بہی بہت زمانے سے تشویش اور پریشانی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد بعض مرتبہ یہ خیال ہوتا ہے کہ سرزمین اوجین بہی الور کی طرح مظلوموں کے خون سے لالہ زار نہ بنجائے۔ اگر حکومت اوجین کے ذمہ دار افسران نے جلد از جلد مسلمانان اوجین کے مطالبات پر ٹھنڈے دل سے غور نہ کیا اور خوشامدی و غداروں کو قرار واقعی سزائیں نہ دیں تو یاد رکھنا چاہیئے۔ اس کا انجام ان کے حق میں بہتر نہیں ہوسکتا۔ وہ مطالبات کیا ہیں۔ اسکو بار بار اخبارات نے لکھا۔ اور دربار تک پہونچا دیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ابتک دربار گوالیار نے کوئی توجہ نہیں کی جس سے یہ ہیجان کم ہوجاتا۔

قانون تحفظ والیان ریاست

ملک کے ذمہ دار افراد۔ اور موقر اخبارات کی مخالفت کے باوجود برٹش حکومت والیان ریاست کے لئے مظلوموں اور غریبوں اور اخبارات کی آواز کو دبانیکے لئے ایک غیر مفید قانون وضع کر دینے پر تلی ہوئی ہے۔ گورنمنٹ کو چاہیئے تھا کہ وہ ریاستوں میں ہونے والے مظالم کا انسداد کیا کرتی اور وہاں کی بے زبان ہندو مسلم رعایا کے حقوق پر ٹھنڈے دل سے غور کیا کرتی۔ لیکن گورنمنٹ اپنی خاص مصلحتوں اور اغراض کے باعث والیان ریاست کو اپنی مٹھی میں لینا چاہتی ہے۔ تاکہ آنے والے دستور اساسی میں والیان ریاست سے جائز و ناجائز اپنے لئے تائید کرائے،

دہلی کے حالیہ اجلاس میں گورنمنٹ نے جبکہ یہ قانون پیش کیا تو غداران ازلی خصوصاً سر محمد یعقوب اور اس ٹائپ کے دوسرے ممبروں نے ایسی عجیب و غریب تقریریں کیں کہ جیسے انکو والیان ریاست نے اپنا زر خرید غلام بنا رکھا ہے۔

سر عبدالرحیم، مولانا مرتضیٰ صاحب بہادر، چودھری عبدالمتین، شاہ مسعود احمد جیسے قابل اور لائق ممبران اسمبلی اس قانون کو قوم و ملک کیلئے مضر خیال کرتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ چند نالائق اور عیاش والیان ریاست کے اشاروں پر بعض ممبران اسمبلی اس قانون کو بے زبان رعایا کے سر پر منڈھنا چاہتے ہیں

برین عقل و دانش بباید گریست

کیا "زمیندار" کی امداد واجب نہیں

ظفر الملت والدین۔ حضرت مولانا ظفر علی خاں صاحب کے نام نامی سے کون واقف نہیں؟ اور آپ کے اخبار "زمیندار" کو بھی ہر شخص جانتا ہے۔ قوم کے اس سچے ترجمان نے جو خدمات باشندگان ہند کے لئے کی ہیں، ان کا تقاضہ یہ ہے کہ زمیندار کی ہر وقت ہر ممکن امداد کی جائے "زمیندار" ہی وہ اخبار ہے جس نے ضمانتیں داخل کرنے میں اور مصائب برداشت کرنے میں ہندوستان کا ہی نہیں۔ بلکہ دنیا بھر کا ریکارڈ توڑ دیا ہے، کیا کوئی اخبار تمام دنیا میں ایسا نکل سکتا ہے کہ جس نے اپنے زندہ رہنے کیلئے حکومت کے خزانے میں دو لاکھ روپیہ داخل کیا ہو۔ نہیں ہرگز نہیں، تو پھر کیا تمام ہندوستان خصوصاً مسلمان اس شمع ہدایت کو گل ہوتا ہوا دیکھکر اسکی خدمت اپنا فرض نہیں سمجھینگے۔ یاد رکھئے اگر زمیندار آج بند ہو جائے تو اغیار مسرت کے شادیانے بجائینگے۔

آجکل زمیندار مالی مشکلات میں مبتلا ہے، اس لئے ہر شخص کا (جو احساس صحیح کا مالک ہے)، فرض ہے کہ کم سے کم وہ زمیندار کو ایک سال کے لئے جاری کرالے۔ اور اپنے حلقہ اثر میں اسکی توسیع اشاعت کے لئے کوشش بھی کرے۔ پھر دیکھئے زمیندار آپکے مخالفین کے لئے کیسے تیزاب کے بجھے ہوئے نشتر لیکر میدان میں آتا ہے،

"امام صاحب" بہار کب جائینگے

جامع مسجد کمیٹی دہلی نے اعلان کیا تھا کہ تین ہزار روپیہ بہار کیلئے امام صاحب لیکر جائینگے حالانکہ جامع مسجد کے خزانے میں لاکھوں روپیہ جمع ہے۔ اور فی الحال بہار سے زیادہ کوئی اور ضرورت بھی لاحق نہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ پچاس ہزار روپیہ دیا جاتا، لیکن ابتک وہ تین ہزار کی رقم بھی پہونچائی نہیں گئی۔ جس کے لئے مسلمانان دہلی انتظار کے لمحات شمار کر رہے ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ امام صاحب قبلہ جلد از جلد یہ رقم لیکر اور جامع مسجد کے روپیے فسٹ کلاس میں سوار ہو کر بہار پہونچیں گے۔

کیونکہ ان کا روانہ کیا ہوا "بیمہ" وہاں نہیں جاسکتا۔ اس لئے امام صاحب کا "بذات خاص" تشریف لیجانا اور وہاں جا کر چلے آنا ہی اچھا ہے۔

کپورتھلہ میں فساد انگیز عناصر

کچھ عرصہ سے کپورتھلہ میں فساد انگیز عناصر کام کر رہے ہیں اور دیوان سر عبدالحمید کے خلاف اسلئے طوفان بے تمیزی برپا کیا جا رہا ہے، کہ وہ کاشتکاروں اور زمینداروں کو خون چوسنے والے وزیروں سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ گورنمنٹ اور مہاراجہ بہادر ان مفسد لوگوں کی سازشوں کو در خور اعتنا نہیں سمجھتے، پھر بھی یہ لوگ باز نہیں آتے ابھی حال ہی میں ایک نام نہاد انجمن قایم کر کے وائسرائے ہند کے نام ایک تار ارسال کیا ہے، جس میں میاں صاحب موصوف کی جگہ انگریز وزیر اعظم کی ضرورت کو ظاہر کیا گیا ہے، خود مہاراجہ صاحب بہادر اور حکومت ہند میاں صاحب موصوف کو نظام حکومت چلانے کے اصولوں سے اور انکی مستعدی اور جانفشانی سے بخوبی واقف ہیں اس لئے حکومت ان غلط کارروائیوں پر توجہ نہیں کرتی، مہاراجہ صاحب نے اپنی سالگرہ کے جشن مسرت کے موقع پر اپنے لائق وزیر اعظم کی خدمات کا اعتراف کر کے تمام والیان ریاست کیلئے ایک اچھی نظیر قائم کر دی ہے۔ فساد انگیز عناصر کو یاد رکھنا چاہئے، کہ وزیر اعظم کپورتھلہ کسی سے بے انصافی نہیں کرتے۔

خان عبیداللہ خان آغوش اجل میں!

خود حکومت کو تسلیم ہو کہ خان عبیداللہ خان کی حالت اگرچہ خطرناک ہے مگر رہائی نہیں ہو سکتی، خان موصوف کی والدہ کا بیان بھی شائع ہو چکا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو کر رہ گئے ہیں، لیکن حکومت کی سنگدلی اور بے رحمی کا کن الفاظ کیساتھ ماتم کیا جائے، کہ اس نے خان عبیداللہ خان کو ابھی تک رہا نہیں کیا، اگر حکومت انکو رہا کر دیتی تو اس کے وقار میں کونسا فرق آجاتا!

ہندوستان کا محبوب ترین نوجوان آغوش اجل میں جا چکا ہے جسکو چھڑانے کے لئے ممبران اسمبلی، ہندوستانی زعما۔ اخبارات صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں، مگر حکومت بالکل پرواہ نہیں کرتی، تمام ہندوستان کا حکومت برطانیہ اور اس کے ارباب حل و عقد سے پرزور یہی مطالبہ ہے کہ وہ خان عبیداللہ خان کو جلد از جلد رہا کرے

دہلی سے رسالہ "غریبوں کی دنیا" کا اجرا،

درحقیقت ہندوستان کو ایسے اخبارات اور رسائل کی سخت ضرورت ہے جو ملک و قوم کی خدمت کے لئے جاری کئے جائیں، ناظرین معلوم کر کے خوش ہونگے کہ انہی اغراض و مقاصد کے تحت میں دہلی سے ایک رسالہ "غریبوں کی دنیا" نام کا عنقریب جاری ہونے والا ہے، جو مظلوموں اور غریبوں کا واحد ترجمان ہوگا، اس رسالہ کے ایڈیٹر مسٹر عزیز حسن پوری ہیں جنکے مضامین غریبوں اور مظلوموں کے جذبات کو صحیح راستہ پر چلانے کے لئے کافی موثر ہوتے ہیں، قیمت بھی بہت کم رکھی ہے۔ سالانہ ایک روپیہ چار آنے ششماہی ۱۲/
پتہ۔ منیجر رسالہ "غریبوں کی دنیا" دہلی کافی ہے۔

تعلیم کا صحیح معیار

(از جناب مولانا سید یامین صاحب ہاشمی ایم۔اے ایل ایل بی)

مسٹر فیچ (مشہور مغربی ماہر تعلیمات) کا خیال ہے کہ تعلیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ متعلم کی خوابیدہ صلاحیت کا اس طور پر احیا کیا جائے کہ اسکی آیندہ زندگی اس کی بیدار صلاحیت سے منضبط ہوسکے اور اس کو یہ معلوم ہوجائے کہ اسکو زندگی کیونکر بسر کرنی ہے۔"

اس سے زیادہ بہتر مقصد تعلیم کی توضیح محال ہے۔ اگر کوئی نظام تعلیم ایسا ہے جو ان مقاصد میں ناکامیاب ہے تو اس متبرک نام کا مستحق نہیں۔ تعلیم کی حالت بالکل قلعی کی سی ہے۔ جس سے اصلی جوہر روشن ہوجاتا ہے۔ ہر انسان میں آپ کوئی نہ کوئی روشن پہلو ضرور دیکھیں گے یہی وہ جوہر ہے جس کا احیاء تعلیم کا مقصد اصلی ہونا چاہیے۔

اس صورت کو ملحوظ رکھ کر دو امر غور طلب ہیں (۱) یہ کہ بچوں کی ابتدائی زندگی میں یہ جوہر تھوڑی سی تعلیم و تدریس کے بعد دریافت ہوتا ہے اس لئے ابتداہی سے آپ کسی ایسی تعلیم کو اس سے مخصوص نہیں کرسکتے جو اس کے جوہر خوابیدہ کے عین مطابق ہو۔ ابتداً تعلیم ضرور کسی قدر عام ہوگی اور پھر اس کے بعد اس دریافت کے مواقع حاصل ہونگے۔ آبائی ماحول و گرد و پیش کبھی بھی نظر انداز نہیں کیے جاسکتے اس لئے کہ بچوں میں غیر محسوس طریقہ پر اس پیشہ کی مناسبت کے اثرات پیدا ہوجاتے ہیں جن کو وہ ہوش سنبھالتے ہی اپنے اردگرد دیکھتا ہے۔ ایک بنیئے کا بچہ جس دن سے ہوش سنبھالتا ہے اسی دن سے وہ اپنے ہر چہار طرف حساب و کتاب، ناپ تول تجارتی اشیاء کے نرخ اور ان کے طریق فروخت کے تذکرے سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ یہ گرد و پیش اسکی ذہنیت پر غیر معمولی اثر ڈالتے ہیں اور وہ بڑا ہوکر اسی طرح سوچتا ہے اور سمجھتا ہے۔ (۲) باایںہمہ آپ کبھی ان مستثنیات کو (جو متعدد ہیں) نظر انداز نہیں کرسکتے۔ جب ایک "ولی کے گھر شیطان یا شیطان کے گھر ولی" پیدا ہوتا ہے۔ ان صورتوں میں بھی استاد کا فرض ہے کہ وہ بچہ کے "جوہر خوابیدہ" کو دریافت کرے اور اسی کے مطابق تعلیم دے عموماً دیکھا گیا ہے کہ ایسے بچے جو آبائی مذاق و پیشہ سے علیحدہ ذوق و شوق رکھتے ہیں ان کی ذہنیت سطح عامہ سے بالاتر ہوتی ہے اسی کو انگریزی زبان میں جینیس کہتے ہیں۔ ایسے بچوں کی تعلیم اگر ان کے مذاق کے مطابق دی جاتی ہے تو وہ غیر معمولی انسان بن جاتے ہیں اور دنیا میں کارنمایاں انجام دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر آپ ان کو نظر انداز کردیں گے تو اس سے قوم و ملک کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔ اسلئے کہ ایسا ایک بچہ اسی گرد و پیش کے سو بچوں کے برابر ہوتا ہے۔

غالباً یہ امر کسی توضیح کا محتاج نہیں کہ تعلیم صلاحیت کے عین مطابق ہونی چاہیئے۔ تعلیم و صلاحیت کا اختلاف تعلیم کو بیکار اور صلاحیت کو برباد کرتا ہے۔ آج ہندوستان کی موجودہ بیکاری کا راز صرف یہی تعلیم و صلاحیت کا اختلاف ہے۔ میں نے صدہا ایسے نفوس دیکھے ہیں جو وکالت میں صرف اس لئے ناکامیاب ہیں کہ انکی صلاحیت فطری کسی دوسرے پیشہ سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ موجودہ نسل میں اس اختلاف کے تین اسباب ہیں (۱) موجودہ تعلیم یافتہ نسل کے ولی عموماً انگریزی نصاب تعلیم سے بالکل ناواقف تھے ان کے نزدیک لڑکے کا انگریزی مدرسہ میں پڑھنا ہی کافی تھا۔ مضامین کا انتخاب بھی بچوں کی سہولت پسند طبیعت ہی پر منحصر ہوتا نہ انکی تعلیم کا کوئی نگراں تھا اور نہ سرپرست۔ گویا ان کا تعلیمی دور بالکل غیر ارادی طور پر ختم ہوا۔ جس میں بجز کتاب رٹنے یا امتحان پاس کرنے کے اور کچھ نہ تھا (۲) دوسرا سبب غیر ملکی حکومت کی غیر ہمدردانہ پالیسی تھی جس نے ہندوستان میں تعلیم کی ترویج صرف اس لئے ضروری سمجھی تھی کہ ادارہ حکومت میں ایسے ماتحتان کی ضرورت تھی جو قلیل تنخواہ پر حکومت کی مشینری چلا سکیں (۳) تیسرا سبب ہندوستان کی خود غلامانہ ذہنیت تھی جس نے مغرب کی ہر سوغات پر لبیک کہا اور کبھی اسپر غور کرنے کی ضرورت نہ سمجھی کہ آیا یہ "نئی شراب ہماری پرانی بوتلوں" میں رکھی بھی جاسکتی ہے یا نہیں۔ اس

غفلت کالازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے ادبیات و فنون فنا ہو گئے اور اب اگر ہم نے کبھی ترقی کی بھی تو اسکی بنیاد مشرقی تہذیب و تمدن نہیں بلکہ مغربی نمائش پرستی اور مادیت ہو گی وہ ترقی ہماری ترقی نہ ہو گی۔ بلکہ مغربی ترقی ہو گی ہم کو اپنی شکست کا مغرب کی فتح کے سامنے اعتراف کرنا پڑے گا۔

جیسا میں عرض کر چکا ہوں کہ تعلیم کا مقصد متعلم کو طریقہ زندگی کی تلقین ہے۔ اگر آپ ہر دار العلوم سے ہر سال ایک سو بھی گریجویٹ ایسے نکال لیں جو کتابی معلومات میں یکہ و تنہا ہوں لیکن جن کی علمیت ان کی روزمرہ زندگی کے لیئے کوئی مفید نتیجہ نہ بر آمد کر سکے تو میں یہ سمجھوں گا کہ آپ نے اسی تعداد میں سو ،، بزاخفش ،، دنیا میں چھوڑ دیئے جو نہ صرف مفید نہیں ہیں اور جنھوں نے اپنی زندگی و دولت مفت برباد کر دی بلکہ وہ قوم و ملک کے لیئے مضر ہیں۔ ہربرٹ اسپنسر ادنیا کا مایہ ناز ماہر تعلیمات کا خیال ہے کہ :-

”یہ سوال کہ ہم کو کس طرح زندگی بسر کرنا چاہیئے سب سے زیادہ اہم ہے۔ نہ صرف مادی لحاظ سے بلکہ ہر لحاظ سے وہ بڑا کلیہ جس میں تمام جزوی مسائل داخل ہیں وہ یہی ہے کہ اخلاق کو کل مدارج اور حالات کی مناسبت سے ترتیب دی جائے۔

ہم اپنے جسم سے کس طرح سلوک کریں اپنے معاملات کو کس طرح انجام دیں اور خاندان کی پرورش کس طرح کریں۔ ایک ملکی باشندہ کی حیثیت سے ہم پر کون سے فرائض عائد ہوتے ہیں اور ہم ان کو کیونکر انجام دیں ہم شادمانی کے ان ذرائع سے کیونکر فائدہ اٹھائیں جو فطرت نے ہمارے لیئے مہیا کیئے ہیں اور ہم اپنی قابلیتوں کو کس طرح صرف کریں کہ ان سے ہم کو اور نیز دوسروں کو اعلیٰ فوائد پہنچیں۔ الغرض کامل زندگی کس طرح حاصل کریں۔ جبکہ ان اصول زندگی کا سیکھنا ہمارے لیئے اہم اور ضروری ہے تو اس لیئے یہی وہ سب سے اہم امر ہے جو تعلیم سے حاصل ہونا چاہیئے تعلیم کا فرض یہ ہے کہ ہم کو کامل زندگی کے لیئے تیار کرے۔ کسی نصاب تعلیم کے جانچنے کا صرف یہی ایک معقول طریقہ ہے کہ اس میں اس امر کو پیش نظر رکھا جائے کہ اس سے مقاصد مذکورہ بالا کہاں تک پورے ہوتے ہیں ،،

اب اس معیار کو پیش نظر رکھ کر ذرا آپ ہندوستان کے موجودہ نصاب تعلیم کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے نوجوان یہ تعلیم کہاں تک اسپر پورے اترتے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ اس تعلیم سے ان کا جہل بہتر تھا۔ بقول حالی ؎

نہ پڑھتے تو سو طرح کماتے کھاتے
یہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کے

ہماری تعلیم (اگر وہ تعلیم کہی جا سکتی ہے) مقاصد تعلیم سے بالکل معرا و مبرا ہے۔ نہ ہمیں اخلاق کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نہ ہم کو یہ بتایا جاتا کہ ،، اپنے جسم سے کس طرح سلوک کریں ،، نہ ہم کو اسکی خبر ہے کہ اپنے خاندان کی پرورش کس طرح کریں۔ نہ ہمیں یہ آتا ہے کہ بطور ایک رعایا ہمارے فرائض کیا ہیں۔ غرض ہم ایک ،، پڑھے لکھے جاہل ،، ہیں جن کا علم کتابی معلومات تک محدود ہے۔

بطور مثال آپ ایک ساتویں درجے کے لڑکے کو لے لیں جس کی عمر تخمیناً ۱۴ سال کی ہے۔ آپ اب ملاحظہ فرمائیں کہ اس چودہ سالہ بچے کو کون کون سے مضامین پڑھنے ہوتے ہیں :-

(۱) انگریزی (الف) زباندانی (ب) قواعد (ج) ترجمہ (د) غیر معینہ کتب۔
(۲) حساب (الف) اقلیدس (ب) ہندسہ (ج) الجبرا
(۳) جغرافیہ (الف) سیاسی
(۴) تواریخ
(۵) ہندی۔
(۶) اردو
(۷) فارسی یا سائنس (الف) فزکس (ب) کمسٹری یا ڈرائنگ

انگریزی کی شقوں کو اگر آپ علیحدہ مبحث نہ بھی تسلیم کریں تب بھی بقیہ جو مباحث کی تقسیم ہے ان کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اس طرح کم و بیش ایک ۱۴ سالہ لڑکے کو ۱۱ مضامین پڑھنے پڑتے ہیں۔ پھر اگر اس کو ،، کندہ ناتراش ،، نہ کہا جائے تو تعجب ہے۔

دوسرا نقص اس نصاب تعلیم کا جس سے اغراض تعلیم فوت ہوتے ہیں یہ ہے کہ مباحث کی کثرت ،، دریافت ،، احیاء جوہر کی مانع ہوتی ہے

مسٹر رنج کا خیال ہے کہ تعلیم کا اصل مقصد طلبار کی استعداد اور ان کے جوہر کی کامل شگفتگی ہے، اگر یہاں بجائے شگفتگی استعداد و جوہر کی پژمردگی ہے۔

اس تعلیم کا صحت پر جو اثر پڑ سکتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے علاوہ بریں جو طریقہ امتحان کا رکھا گیا ہے وہ دراصل امتحانِ قابلیت نہیں ہے بلکہ ابتلار و آزمائش ہے۔

ثانوی و اعلیٰ تعلیم کی عمومیت نے بھی ملک کو سخت نقصان پہنچایا چونکہ آج کل تعلیم کا اصل مقصد حصول ملازمت ہے اور حصول ملازمت کا اصل معیار سعی و سفارش اس لیے کسب صلاحیت و قابلیت کی طرف کسی کو توجہ نہیں ہوتی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ بھی ثانوی مدارس اور دار العلوم سے امتحانات میں کامیاب ہو کر نکلتے ہیں جنکی قابلیت صرف کتابوں تک محدود رہتی ہے، آج کل زمانہ کسی ایک فن میں کمال پیدا کرنے کا ہے، لیکن یہاں غرض تکمیل فن نہیں بلکہ تکمیل نصاب ہے پھر ایسی صورت میں کمال کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنا نصاب تمامتر مغربی اصول پر مرتب کریں، مگر ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ خذ ما صفا ودع ما کدر، مغرب میں ابتدائی تعلیم لازمی ہے لیکن ہندوستان کی اچھی ابتدائی تعلیم کے اوقات گنتی اور پہاڑوں میں بیکار صرف نہیں کیے جاتے بلکہ یہ ابتدائی دور صرف اس لئے معین کیا گیا ہے کہ اس زمانہ میں استاد لڑکے کے صحیح جوہر کا پتہ چلائے۔ ہندوستان میں بدترین اساتذہ (جن کو میاں جی یا منشی جی کہیے) ابتدائی مدارس کے لئے مقرر ہوتے ہیں مغرب میں حالت بالکل اس کے خلاف ہے: بچوں کی تعلیم کے لئے صرف وہی اساتذہ مقرر کیے جاتے ہیں جو طفولیت کی عام ذہنیت کے مطالعہ میں کافی وقت صرف کر چکے ہیں اور جو جانتے ہیں کہ بچوں کے لیے کیا شئے سبق آموز ہو سکتی ہے یہاں لغو و لاطائل کتابیں صرف سفارشوں کی بنا پر نصاب تعلیم میں داخل کر لی جاتی ہیں مگر مغرب کا جو حال ہے آپ اس کا صرف اس واقعہ سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ۱۹۱۷ء میں لندن یونیورسٹی نے ایک کمیشن کا تقرر صرف اس لئے منظور کیا ہے کہ وہ سارے ملک کا دورہ کر کے بچوں سے دریافت کرے کہ وہ کس طرح کی نظمیں پسند کرتے ہیں جب کمیشن کی رپورٹ شائع ہوئی تب نصاب تعلیم میں ایک کتاب داخل ہوئی۔

میرا خیال ہے؛ اور اس میرے دعوے کے ثبوت میں مغرب کے متعدد ماہران تعلیم ہیں، کہ ابتدائی تعلیم کا دور مشکل ترین دور ہے اور اس کے لیے قابل ترین اساتذہ درکار ہیں ایک مسن و معمر شخص سے یہ اخذ کر لینا نہایت آسان ہے کہ اس کا رجحان طبیعت کس طرف ہے اور وہ زندگی کے کس شعبہ کو بہت مرغوب سمجھتا ہے لیکن ایک ناسمجھ بچہ سے یہ اخذ کرنا بہت دشوار ہے۔

استاد کا کام صرف اخذ جوہر ہی نہیں ہے بلکہ "تربیت جوہر" بھی ہے۔ ہندوستان کے ہزارہا ہونہار بچے صرف اسلئے بڑے ہو کر ناکامیاب زندگی بسر کرتے ہیں کہ بچپن میں کسی نے ان کے صحیح جوہر کا پتہ نہیں چلایا اور اگر چلایا بھی تو کوئی اسکی تربیت کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ ہندوستان میں پیشہ کا انتخاب صلاحیت و قابلیت پر مطلق موقوف نہیں ہوتا کوئی غیر ارادةً آبائی پیشہ اختیار کرتا ہے کوئی مجبوراً کوئی ملازمت کرتا ہے۔ کسی کی سہولت پسند طبیعت محض آرام طلب پیشوں کی طرف راغب ہوتی ہے۔ غرض یہ ایسی ابتدائی غلطی ہے جس سے ہندوستان کی کثیر آبادی تباہ و برباد ہے۔

تقریباً تمام مغربی ممالک میں ابتدائی تعلیم لازمی و جبریہ ہے اسکے بعد ثانوی مدارس میں صرف وہی طلبہ جاتے ہیں جن کی صلاحیت اس امر کی اجازت دیتی ہے، پرشیا (جرمنی) میں ثانوی تعلیم بھی جبریہ ہے لیکن وہی طلبار ثانوی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں جن کو سند تکمیل اس قابل پاتی ہے۔ بیمار، غبی، مجہول العقل ثانوی تعلیم کے حصول سے ممنوع ہیں اب ثانوی تعلیم جب ختم ہوئی تو پھر ایک انتخاب عمل میں آیا۔ ہر شخص اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر سکتا۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے خاص شوق علم ضروری ہے۔ اس پابندی کا ایک نہایت مفید نتیجہ یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد جو طلبا نکلتے ہیں وہ اپنے فن میں کامل و ماہر ہوتے ہیں۔

جتنے مختلف مضامین کی تعلیم ہندوستان میں ہوتی ہے وہ مغرب میں ممکن نہیں بسا اوقات ایسی پابندیاں بھی عائد کر دی گئی ہیں کہ ایک یا دو مضمون سے زیادہ طالب العلم نہیں لے سکتا۔ ایک طرف تو اس پابندی سے طلبا کو نامناسب مشقت نہیں اٹھانی پڑتی اور دوسری طرف انکو تکمیل فن میں بے حد سہولت ہوتی ہے۔ ہماری غلامانہ ذہنیت صرف اسی تعلیم کو مفید سمجھتی ہے جس سے سرکاری ملازمت مل سکے لیکن مغرب میں چونکہ یہ معیار نہیں ہے۔ اسلئے ہر شخص ہر فن کو بطور فن حاصل کرتا ہے یہ ضرور ہے کہ مغرب میں ہر فن کے قدر دان ہیں خواہ وہ معمولی لہو و لعب ہو یا اعلیٰ تعلیمی صیغہ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ کامل الفن اپنی معاش کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ [illegible] سبق سے آپ پر واضح ہو جائے گا کہ تعلیم کا مقصد اصلی تربیت جوہر [illegible] تعلیم ان مقاصد سے

ٹرکی میں ترقی کے آثار

شیخ رازق آزہری کے چشم دید حالات

تقریباً چار سال سے میرے دل میں یہ اضطرابانہ آرزو تھی کہ میں استنبول انگورہ اور قونیہ کا سفر کروں اور جدید ترکی کے حالات کا مشاہدہ کروں۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ آرزو پایۂ تکمیل تک پہونچ گئی اور میں قاہرہ سے روانہ ہو کر ۱۵ شوال کو استنبول پہونچ گیا۔ میں نے اس سفر میں کیا دیکھا؟ یہ ایک دلچسپ داستان ہے۔

میں اپنے دوستوں سے اکثر سنا کرتا تھا کہ ترکی اب مشرقی خصوصیات سے محروم ہے لیکن یہ بیان غلط ہے۔ میں نے خود یہ مشاہدہ کیا اب بھی ترکی میں مشرقی خصوصیات موجود ہیں اور ۹۰ فی صدی آدمی مشرقی تمدن کو پسند کرتے ہیں۔ راستہ میں بھی جن بزرگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ان کو میں نے حد درجہ مہمان نواز پایا اور اب بھی وہاں سیاحوں کی غیر معمولی طور پر عزت کی جاتی ہے۔

۱۵ شوال کی تاریخ وہ روح پرور تاریخ تھی جبکہ میں شاخ زرین کے کنارے اترا نہایت دلفریب نظارے پیش نظر تھے۔ شاندار محلات خوبصورت مساجد اور صاف ستھرے راستہ اگرچہ آج کل استنبول دارالحکومت نہیں ہے لیکن پھر بھی ان کی شان و شوکت میں کوئی فرق نہیں ہوا اب بھی وہاں مشرقی شان و امارت کے مناظر موجود ہیں۔ مغربی تہذیب ترکوں کے واسطے کوئی نئی چیز نہیں ہے کیونکہ وہ صدیوں سے اس فضا میں رہتے ہیں لیکن پھر بھی جدید ترقیات کا اثر نمایاں ہے۔ اب ترکی ٹوپی کے بجائے ہیٹ نظر آتے ہیں اور خواتین کے لباس میں بھی جدت معلوم ہوتی ہے پہلے ترکی خواتین کے چہروں پر آنکھوں کے نیچے ایک ہلکا سا نقاب ہوتا تھا اب زیادہ تر بے نقاب نظر آتے ہیں۔ آج کل عام طور پر ترکوں کی "لامذہبیت" کے متعلق حیرت انگیز افسانے مشہور ہیں لیکن یہ سنائے یقیناً غلط ہیں ترک آج بھی اسلام کو مانتے ہیں اور اسلامی تعلیمات کا احترام کرتے ہیں لیکن وہ ملاؤں کے تشدد کو پسند نہیں کرتے۔ میں نے خود یہ دیکھا ہے کہ اعلیٰ حیثیت کے اشخاص مثلاً عدالتوں کے حاکم فوجی افسر، کالجوں کے پروفیسر، قانون کے ماہر، مجلس وطنی کے ارکان اور مدارس کے طلبا، ذوق شوق کے ساتھ مساجد میں آتے ہیں اور فریضہ نماز ادا کرتے ہیں۔ مسجدوں کے خطیب اور دارالافتاء کے امام آج کل کے ریاکار علماء نہیں بلکہ جامع اسلامیہ کے روشن خیال طلبا ہیں یہاں بھی ایک فرقہ ہے جو مذہبی تعلیم سے بے نیاز ہے۔ یہ دن رات لہو لعب میں مشغول رہتا ہے اور شاید انہیں کے حالات دیکھ کر لامذہبیت کے افسانے شائع کئے گئے۔ ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد استنبول سے انگورہ کی طرف روانہ ہوا۔ انگورہ میں انقلاب کے آثار نمایاں ہیں یہاں خواص ہی نہیں عوام بھی مغربی تہذیب کے پابند ہیں، ترکی ٹوپی کا نام و نشان تک نہیں، ہر طرف ہیٹ نظر آتے ہیں۔

عورتیں عام طور پر بے حجاب ہیں۔ اور تفریحی مقامات پر سیر و تفریح کے لئے جاتی ہیں۔ سنا ہے کہ دیہاتی علاقوں میں بھی وائرلیس ٹیلیگراف ٹیلیفون برقی روشنی اور ٹرام وغیرہ موجود ہیں اور وہاں بھی مغربی تہذیب کا اثر غالب ہے۔

انگورہ ایک شاندار اور بڑا شہر ہے جس میں ہر طرف مغربی انداز کی عمارتیں موجود ہیں اسکی تعمیر کا سلسلہ حیات جدیدہ کے بعد شروع ہوا ہے اور اب دن بدن اس کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومت کے دفاتر اور غیر ملکی سفارت خانوں کی عمارتیں نہایت شاندار ہیں۔

انگورہ میں سب سے زیادہ شاندار سڑک شارع مصطفیٰ ہے اس کے شمالی حصہ میں کمال پاشا کا مجسمہ نصب ہے اور شام کے وقت اس علاقہ میں خاص رونق ہوتی ہے یہ سڑک اپنی صفائی اور نفاست کے لحاظ سے لندن، پیرس اور برلن کی سڑکوں سے کسی طرح کم نہیں ہے اس کے مشرقی حصے میں ایک شاندار مسجد ہے جس میں نماز کے وقت غیر معمولی ہجوم ہوتا ہے۔ جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا ہے تو یہ لامذہب ترک ذوق و شوق کے ساتھ مسجد میں آتے ہیں اور خدائے قدوس کی بارگاہ میں سر جھکاتے ہیں اکثر اوقات غازی

مصطفیٰ کمال پاشا بھی اس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ ان جیسے مجاہد مسلمانوں کو کس طرح لامذہب قرار دیا جاتا ہے اگر یہ مغربی طاقتوں کا جھوٹا پروپگنڈا نہیں تو اور کیا ہے۔

انگورہ کے شمالی حصہ میں ایک پہاڑی پر صدر اعظم غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی قیام گاہ ہے۔ بظاہر نہایت شاندار اور خوبصورت عمارت ہے لیکن بالکل سادہ ہے۔

۲۴ر شوال کو یہ راقم بھی پہاڑی کے اوپر گیا تھا۔ پھاٹک پر فوجی افسروں کا پہرہ تھا۔ غازی پاشا ایک موٹر کے پاس کھڑے ہوئے ایک رکن حکومت سے بات چیت کر رہے تھے۔

میں نے شوق میں ڈوبی ہوئی نگاہوں سے ان کو دیکھا اور ان کے حق میں دعاء خیر کی۔

دس دن انگورہ میں قیام کرنے کے بعد میں قونیہ گیا۔ یہ ایک روحانی مرکز ہے۔ اور یہاں مرکزی تہذیب کا اثر غالب ہے جامع عثمان کے قریب حضرت مولانا جلال الدین رومی رحہ کا مزار ہے۔ جو روحانی دنیا کے پیشوائے اعظم ہیں۔

یہ شہر اگرچہ مغربی ترقیات سے محروم ہے اسکے چاروں طرف انگوروں کے خوشنما باغ ہیں اور سڑکیں نہایت صاف اور پاکیزہ ہیں۔ یہاں انگور کثرت سے پیدا ہوتا ہے اور اسکی تجارت ترقی پر ہے۔

مشرقی علاقہ میں جدید مکانات تعمیر ہوئے ہیں اور اسی حصۂ شہر میں عثمان بنک اور جامعہ اسلامیہ کی شاندار عمارتیں ہیں۔ پندرہ دن اس شہر میں رہا اور پھر واپس آ گیا۔

میرے مشاہدات میں ایک خاص چیز قابل اظہار ہے اور وہ یہ کہ باوجود عیارانہ سازشوں کے غازی پاشا کا اقتدار آج بھی قائم ہے اور ملک کے تمام باشندے ان سے غیر معمولی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں۔ اور ان کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے اسی دانشمندی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ترکی میں ہر طرف ترقی کے آثار نظر آتے ہیں تعلیم کا عام رواج ہے اور ہر گوشے میں صنعت و حرفت کے مدارس قائم ہیں ٭

ترکوں کا ادبی شوق

یہ مضمون نامکمل رہے گا۔ اگر میں ترکوں کے ادبی ذوق پر تبصرہ کر دوں یہ ایک حقیقت ہے کہ ترک میدان رزم کے تاجدار ہیں اور ادبی مشاغل سے خالی ہیں۔ اگر علم و ادب کی محفل میں ان کے شاندار کارنامے ہوتے تو تاریخ ان کو ضرور محفوظ رکھتی۔ جیسا کہ عرب۔ ایران، ہندوستان اور چین کی قدیم ادبیات کا سرمایہ محفوظ ہے۔ لیکن اس محفل میں شریک ہونے کی ان کو فرصت نہیں ملی۔ موجودہ عہد ترقی میں یقیناً انھوں نے ادبیات کی طرف توجہ کی ہے اور ہم اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں آج ان کے ہاں نہایت روشن خیال اور طرار ادیب موجود ہیں۔ اس راقم نے جن حامیان ادب سے ملاقات کی ان کے فضائل و محاسن یہ ہیں:۔

عاصم شوکت ایک فاضل اجل اور نہایت رنگین طبیعت ادیب ہیں اچھے فاضلانہ مضامین نے قوم میں احساس حریت پیدا کیا ہے اور انکی شاعری کے متعلق ارباب علم میں مشہور ہے کہ وہ ایک سمندر ہے جس میں جذبات کی موجیں متلاطم رہتی ہیں ٭

مسلسل افسانہ — بہ سلسلہ گذشتہ

حسن کی قربان گاہ

(از مسٹر نیاز فتحپوری)

اے افسوں ساز! اے ساحر! میں تیرے لئے تڑپ رہی
ہوں، میرے دل کے اندر تیرے لئے شعلے بھڑک رہے ہیں۔
تجھے اس معبد اور صاحب معبد کا واسطہ مجھے سکون دے، میری
آگ کو ٹھنڈا کر۔ ورنہ میں پھنک جاؤنگی مرجاؤں گی۔ میں
تیرے قدموں پر پڑی رہوں گی۔ جب تک تیرے قوی
ہاتھ میرے کانپتے ہوئے ہاتھوں اور تیرے حسین لب
میرے مرتعش لبوں سے نہ مل جائیں۔

مراندا کی آواز جوش میں بلند ہوتی جاتی تھی، اور راہب
ڈر رہا تھا کہ کوئی سن نہ لے اس نے جواب دیا۔" اے
خاتون مجھے تو ہمیشہ اپنا سچا دوست اور ہمدرد خیال کر
لیکن خدا کیلئے مجھ سے اس بات کی خواہش نہ کر
جو میرے امکان میں نہیں ہے میں تیرے لئے سب
کچھ کرسکتا ہوں مگر میں تجھے چھو نہیں سکتا۔ کہ یہ میرا
عہد ہے جو میں نے آسمان کے سب سے بڑے دیوتا
تھماش کے سامنے کیا ہے۔"

یہ سنتے ہی مراندا کی ہیئت بدل گئی اس کا چہرہ غصہ
سے تمتما اٹھا۔ عزت و غرور کی سرخی آنکھوں میں دوڑ
گئی، گردن تن گئی، بھویں کھنچ گئیں اور پیشانی پر شکنیں
ڈالکر بولی "اے راہب تو نے یہ جواب دیکر میرے تمام
شریفانہ ذرائع کو پامال کر دیا ہے اور میں اب مجبور ہوں
کہ تجھ سے اس کا انتقام لوں اگر تو اپنے اس ریاکارانہ
زہد و تقوی کے سامنے دنیا کی عظیم ترین نعمت کو ٹھکرا سکتا
ہے۔ اگر تو اپنے راہبانہ غرور پر میرے جذبات کی قربانی
چڑھانے کے لئے آمادہ ہے۔ تو سن لے کہ میں بھی تجھے
اس بات کے کرنے پر مجبور کرونگی۔ جس سے کہ تو اس وقت
انکار کرتا ہے۔ یا پھر اس انکار کے عوض تجھے اپنی جان
دینے کیلئے آمادہ ہو جانا چاہیئے۔ یا تو اس آگ کو جو
تیری آنکھوں نے میرے دل کے اندر بھڑکائی ہے۔
ٹھنڈا کر۔ ورنہ میں اس لمحہ تیری عزت خاک میں ملا
دونگی اور تجھے تباہ و برباد دیکھ کر خوش ہونگی۔"

راہب اس وقت ڈر رہا تھا اور اس کی سمجھ میں
نہ آتا تھا کہ وہ کیونکر اپنے تئیں اس حسین آفت سے
بچائے آخر کار اس نے اپنی گریہ آلود اور رحم طلب
آواز میں پوچھا اے خاتون تو مجھ سے کیا چاہتی ہے
میں کیا کروں؟"

مراندا بولی وہی جو تیرے حسن و جوانی کا اقتضا ہے
معبد کا یہ حصہ تنہا اور سنسان ہے یہاں کی معصوم
خلوت میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ ہم مداخلت کے
خوف سے ایسے ہی آزاد ہیں جیسے کسی ویران جنگل،
یا پہاڑ کے غار میں ...... شمعیں بھی گل کر دونگی سوائے
ایک شمع کے جو ہمارے محبتوں کے اس پر مزہ منظر کی
تماشائی ہو سکتی ہے لیکن کسی سے کچھ کہہ نہیں سکتی
آ۔ میری آغوش میری کانپتی ہوئی پر شوق آغوش
میں آجا۔ اور اپنے زہد اتقا حماقت سے باز آ۔ جس نے
تجھے اپنی طویل مدت تک اس نعمت سے محروم رکھا
جس کے لئے اس وقت بھی دنیا کے تمام شہزادے
بے قرار اور مضطرب ہیں۔"

مراندا نے یہ کہا اور شمعیں گل کر کے فوراً راہب کو
اپنی آغوش میں کھینچ لیا اور اس کا منہ چومنے لگی۔
راہب گھبرا کر بولا اے بیوقوف عورت شمعیں گل

کرنے سے فائدہ جب کہ خدا اس تاریکی میں بھی عہد شکنی کو دیکھ رہا ہے۔ میں ترے اس حسن کی قوت کو تسلیم کرتا ہوں۔ میں ترے جسم سے چھو جانے کی لذتوں کو محسوس کرتا ہوں۔ بہرحال اس گوشت و خون کا بنا ہوا انسان ہوں۔ لیکن اس وقت تک کہ میرے حواس سلب نہ کر لئے جائیں اس وقت تک کہ ایک سانس بھی میری حیات کے ثبوت میں پیش کی جا سکے میں تمہی ان خوفناک ترغیبات کے سامنے سر عجز نہیں جھکا سکتا مجھے چھوڑ دے اور ہوش میں آ۔ اب بھی وقت ہے کہ جو کچھ تو کر رہی ہے اس پر نادم ہو کر اپنی روح کو زیادہ داغدار ہونے سے بچالے۔

مراندا نے جس وقت راہب کی گفتگو سنی۔ اس کی برہمی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس وقت جب کہ وہ جام کو لبوں تک پہونچا ہوا دیکھ رہی تھی، اپنی تشنہ کامی کے خیال سے دیوانی ہو گئی۔ اور انتہائے غیظ و غضب کی حالت میں کرسی پر بیٹھکر راہب کو کھینچ کر اپنے اوپر گرا لیا۔ اور دونوں ہاتھوں سے اسی حالت میں اسے مضبوط پکڑ کر بلند آواز سے چیخنے لگی دوڑو دوڑو مجھے اس راہب سے بچاؤ۔"

یہ آواز خلوت خانہ سے نکل کر چاروں طرف پھیل گئی۔ اور راہبوں کا سردار بھی کنوار اور دوسرے راہبوں کے ہجوم میں اندر داخل ہوا سب نے دیکھا کہ حیرون اور مراندا دونوں گتھے ہوئے ہیں۔ مراندا کے بال پریشان ہیں لباس بے ترتیب ہے اور زار و قطار رو رہی ہے۔ جس وقت راہبوں کا سردار قریب آیا۔ مراندا اٹھ بیٹھی اور اس کے قدموں پر گر کر بولی "اے معبد شماش کی مقدس ترین ہستی مجھے اس ناپاک اور شریر راہب نے تباہ کر ڈالا۔ میری عصمت کو جس کی قیمت کونین کی دولت نہ ہو سکتی تھی۔ اس نے زبردستی مجھ سے چھین لی۔ میں اس پاک و متبرک خلوت گاہ میں خدا کے سامنے اس وحشی راہب کے قدموں پر جھکی ہوئی تھی جس وقت میں اپنے معاصی کا اعتراف کر کے اپنی روح کی اذیتوں کو کم کرنا چاہتی تھی اسی راہب نے بجائے اسکے کہ میرے گناہوں کو بار کو کم کرتا۔ ایک نہایت ہی سخت و شدید گناہ سے میری روح کو اور زیادہ داغدار کر دیا۔ مجکو دیکھتے ہی اس کی حالت بدل گئی اس نے روشنی گل کر دی اس نے مجھے اپنی آغوش میں کھینچ لیا اس نے اپنی کرسی پر مجھے زبردستی لٹا دیا۔ اور پھر آہ اے راہب اعظم اس سے زیادہ کہنے مجبور نہ کر۔

مراندا نے یہ سب کچھ اسقدر بے ساختہ انداز سے بیان کیا کہ لوگوں کو بالکل یقین ہو گیا۔ اور راہب نے حیرون سے جو وہیں سر جھکائے کھڑا تھا پوچھا اے بدبخت راہب تو نے کیا کیا؟"

حیرون یہ سنکر تھوڑی دیر خاموش رہا اور پھر جواب دیا اے راہب اعظم میرے پاس اس الزام کا کوئی جواب سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا اس عورت کی حالت پر رحم کرے اور اپنے گناہوں سے اسکو شرم آئے۔"

حیرون یہ کہکر خاموش ہو رہا۔ اس کے بعد حیرون کو فوراً گرفتار کر لیا گیا اور حاکم معبد کے سامنے پیش کیا گیا اس واقعہ سے تمام معبد شماش میں ہل چل پڑ گئی اور وہ لوگ جو حیرون کی سابقہ زندگی اور مراندا کی طینت سے واقف تھے۔ چاہتے تھے کہ جو حقیقت ہو اسے حیرون ظاہر کر دے لیکن حیرون جسے اپنی زندگی کی مطلق پرواہ نہ تھی اس پر راضی نہوا۔ اور آخرکار ایک ہفتہ کے بعد فیصلہ سنا دیا گیا کہ حیرون ایک سال تک مقید رہنے کے بعد بازار میں جلا دیا جائے۔

(۵)

اس واقعہ کو گذرے ہوئے کئی مہینے گذر چکے ہیں اور مراندا اپنے مرض محبت سے صحتیاب ہو کر پھر اپنے مشاغل لطف و تفریح میں بدستور نظر آتی ہے۔ ابھی

اثنا میں ناگہاں شہر کے اندر یہ خبر مشہور ہوئی کہ شاہزادہ اُر نہایت تزک احتشام کے ساتھ اریدو میں آیا ہے اور کچھ دن یہاں صرف کریگا، اس شاہزادہ کے حسن وجمال، شان وشوکت کے افسانے تمام ملک میں مشہور تھے، اور اس لئے جبکہ اریدو پہنچا تو طبقہ نسوان میں ایک ہل چل مچ گئی، یہاں تک کہ ان کی ساری آرائش ملبوس اور نمائش حسن صرف اسی کیلئے ہونے لگی۔ جب مراندا نے یہ خبر سنی تو اس کے دل میں بھی شوق وولولہ پیدا ہوا اور آخر کار ایک شام کو جب شاہزادہ معبد شماش میں آنیوالا تھا۔ مراندا بھی اپنے فن دلربائی کی تمام قوت صرف کرنے کیلئے وہاں پہنچگئی جس وقت شاہزادہ معبد میں داخل ہوا تو ایک شور مچ گیا۔ اور ہر شخص اس کے دیکھنے کیلئے دوڑ پڑا۔ لیکن مراندا اپنی جگہ پر قائم رہی، کیونکہ اس نے شہزادہ کو دیکھنے اور اپنے دکھانے کیلئے ایک مخصوص ساعت سوچ رکھی تھی۔

(باقی آئندہ)

یوسف اور زلیخا

(از جناب مولانا مسعود الرحمٰن صاحب ندوی)

سرزمین فراعنہ مصر بھی اپنے اندر عجیب و غریب حسین و نازک ہستیوں کو محفوظ رکھتی ہے۔ مصر کا ذرہ ذرہ حسن و عشق کی داستان ہے۔ بعض علماء آثار قدیمۂ مصر کو چند بوسیدہ کاغذات پر حضرت یوسف و زلیخا کا افسانۂ عشق مندرج دستیاب ہوا ہے۔ یہ قصہ مشہور قدیم زبان عبرانی سے ترجمہ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایک مصری رسالے نے اس کتبہ سے مفصل اقتباسات اپنے یہاں شائع کئے ہیں۔

ان بوسیدہ قدیم اوراق میں درج ہے کہ فرعون مصر کا نائب السلطنت پنٹیفرس شہر ہیلیوپوس کا مذہبی پیشوا نہایت امیر و کبیر اور اپنے وقت کا بہت دانا و عقلمند تھا۔ اسکی ایک لڑکی زلیخا جس کی عمر شباب کی تمام دلاویز رعنائیوں کے ساتھ صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ ایک عورت کے لیے عمر کا یہی وہ حصہ ہے جس پر بہت سے زاہدان شب زندہ دار اور بہت سے پیر فرتوت جو قبر میں پیر لٹکائے راہوار اجل کے منتظر بیٹھے ہیں عمر بھر سے سر دھنتے آئے ہیں۔ زلیخا اپنے حسن و خوبی کے لحاظ سے مصر ہی کیا بلکہ اقطاع عالم میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی۔ وہ ایک ایسے محل میں رہتی تھی۔ جہاں بوجہ بلندی کسی مرد کا پہونچنا دشوار تھا۔ کتنے ہی بادۂ محبت سے سرشار و متوالے حسین خوبصورت نوجوان امراء اور نخوت پسند شہزادوں نے اسکی خواستگاری کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا لیکن اس نے ہر درخواست کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ جب زلیخا کے والد کو اطلاع ہوئی کہ یوسف غلہ فراہم کرنے کے سلسلہ میں مصر آ رہے ہیں۔ تو اس نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا۔ کہ اسکی لڑکی مصر کے اس جدید رکن اعظم کے ازدواج میں آئے گی۔ چنانچہ اس خیال کو لیے ہوئے وہ بیٹی کے پاس پہونچا اور کہا کہ۔ بیٹی خدا کا محبوب یوسف جو اسوقت تمام مملکت مصر کا حکمران ہے آج ہمارے شہر میں قدم رکھ رہا ہے و یہ یوسف خدا کا سچا پرستار اور علم و حکمت کا بہت بلند پایہ فاضل ہے پس اے میری بیٹی تو تیار رہ کہ میں تیری شادی اس کے ساتھ کردوں اور آئندہ سے تو اسکی عروس اور وہ تیرا شوہر ہوگا۔ اس گفتگو پر زلیخا بہت برہم ہوئی اور بولی:۔

”کہ اے قابل و دانا باپ آپ کیا فرما رہے ہیں کیا آپ مجھے ایسے شخص کی غلامی میں دینا چاہتے ہیں جو باہر کا پردیسی ہے اور جس نے ہمارے ملک میں آکر پناہ لی ہو۔ اور جو غلام کی حیثیت سے فروخت ہو چکا ہے“

لیکن زلیخا کا یہ سارا غرور اسی وقت تک تھا کہ جب تک جمال یوسفی پر نگاہ نہیں پڑی تھی۔ لیکن جب ایک مرتبہ آنکھیں چار ہوئیں۔ تو پہلو میں دل تھا اور نہ اب زلیخا وہ پہلی زلیخا تھی۔

جب زلیخا نے یوسف کو کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو فوراً دل بیٹھ گیا۔ اور روح لرزنے لگی۔ اس کے اعضا ہلنے لگے۔ اور اس کا جسم کانپنے لگا۔ اس نے آہ سرد بھر کر اپنے دل میں کہا کہ ہائے میری کیسی کمبختی آگئی۔ میں بدنصیب اب اس سے کہاں چھپ سکتی ہوں، اور اب یوسف فرزند خدا میرے اوپر کیونکر نظر کرے گا کہ میں اسکی بابت کیسے سخت الفاظ زبان سے نکال چکی ہوں۔ ہائے میری کیسی شامت آئی ہے۔ میں اس سے بھاگ کر اور چھپ کر کہاں رہ سکتی ہوں۔ اس لیے کہ وہ ہر پوشیدہ مقام کو دیکھ سکتا اور ہر بھید کو جان سکتا ہے۔ اس کے نور باطنی سے کوئی شے مخفی و پوشیدہ نہیں۔

اب مجھ پر خدائے یوسف ہی رحم کرے۔ میں نے نادانی میں جو کلمات زبان سے ناشائستہ یوسف کے حق میں نکالے ہیں۔ انہیں معاف کرے کاش آبا جیسے اسکی خادمہ و کنیز بنا کر دیں۔ تو میں ہمیشہ اسکی غلامی کرونگی۔

عشق و محبت کے قیامت زا ہنگاموں میں اس قسم کی گفتگوئیں بہت سنی ہیں مرد کے قدموں میں جنس نازک کی جانب سے ایسی ہی قربانیاں پیش کی گئی ہیں۔ یہ کوئی نیا واقعہ اور حیرت و عجب کا افسانۂ حقیقت نہیں ہے۔

غرضکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام پنٹیفرس کے مکان میں تشریف لاکر ایک خوبصورت کرسی پر بیٹھے۔ تو انھوں نے دیکھا کہ زلیخا انہیں نان خانہ

سے جھانک رہی ہے۔ اور انہوں نے پیٹیفرس سے پوچھا کہ وہ بالاخانہ پر
کھڑکی سے کون عورت جھانک رہی ہے۔ اسے اپنے گھر سے نکال دیجئے
ورنہ کہیں وہ مجھے دق نہ کرے۔ یہ یوسف علیہ السلام نے اس لیئے
کہا کہ اس سے پیشتر بھی امراء و شہزادگان مصر کی بکثرت بیویاں
اور لڑکیاں یوسف پر دارفتہ ہو چکی تھیں۔ اسی طرح عام باشندگان
مصر کی بیویاں اور لڑکیاں بھی۔

زلیخا کا باپ ایک جہاندیدہ شخص تھا اس نے جواب دیا۔
"حضور یہ لڑکی کوئی غیر نہیں ملکہ غلام زادی ہے اور اس
میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو مرد کی شکل سے نفرت ہو۔
اور حضور پہلے مرد ہیں جن کی نظر اس کے چہرے پر پڑی ہے۔ اگر
مرضی مبارک ہو تو حاضر ہو کر حضور سے شرف مکالمت حاصل کرے
اس لیئے کہ وہ حضور کی بہن ہوئی"

حضرت یوسف نے کمال متانت و سنجیدگی سے زلیخا کے باپ کی گفتگو
سنی اور تبسم ہو کر فرمایا۔ جب وہ تمہاری لڑکی ہے اور مرد سے بالکل نفرت
کرتی ہے تو بیشک میری بہن ہوئی۔ اسے فوراً بلائیے اور آنے سے میں بھی
اسکو مثل اپنی بہن کے سمجھوں گا۔ اور ایک بھائی کی طرح اس سے محبت کرونگا۔

اسپر فوراً زلیخا کی ماں اسکو لے آئی اور باپ نے اس سے کہا:-
"حسین بیٹی اپنے بھائی کا بوسہ لے کہ وہ بھی مثل تیرے پاکدامن ہے اور
جس طرح تو غیر مرد سے بیزار رہتی ہے وہ غیر عورت کی صورت سے بیزار
رہتا ہے"

زلیخا نے آتے ہی یوسف سے کہا "مرحبا اے خدائے اعظم و برتر کے
برگزیدہ" "مرحبا" یوسف نے جواب دیا کہ "اے دوشیزہ خدائے توانا
کی تجھ پر رحمت"

اس کے بعد ہی جہاندیدہ والد زلیخا نے پھر اس حسین کنواری کو حکم دیا
کہ یوسف کے قریب آکر ان کا بوسہ لے مگر جب وہ اس حکم کی تعمیل کرنے گئی
تو حضرت یوسف نے ہاتھ سے اسے روک کر کہا کہ:-

"اس شخص کے لیئے جو خدائے واحد کی پرستش کرتا ہے اور جو زندہ
خدا سے برکت چاہتا ہے۔ یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ ایک غیر عورت کا
جو مردہ بتوں سے برکت چاہتی ہے بوسہ لے۔ البتہ جو شخص خدا پرست
ہے وہ اپنی والدہ اور ہمشیرہ کا جو اس کے ہی خاندان سے ہوتی
ہے بوسہ لے سکتا ہے نیز اپنی بیوی کا جو اس سے ہم بستر ہوتی
ہی بوسہ لے سکتا ہے۔ اس لیئے کہ وہ زندہ خدا سے برکت چاہتی
ہے۔ علیٰ ہذا اس عورت کے لیئے بھی جو خدا کی پرستش کرتی ہے
یہ جائز نہیں کہ وہ غیر مرد کا بوسہ لے کہ یہ خداوند تعالیٰ کی
بیزاری ہوئی معصیت ہے"

اس کے بعد یوسف نے فقرہ ختم کرکے اس گفتگو کا اثر دانداز دیکھا۔
زلیخا کے والد اور والدہ اس طرز گفتگو کو سن کر ششدر رہ گئے۔ زلیخا جو
جمال یوسفی سے مبہوت اور متحیر ہو چکی تھی۔ بالکل فراموشی کے عالم میں ٹکٹکی
باندھے حضرت یوسف کو دیکھتی رہی اس کو دنیا و ما فیہا کی مطلق خبر نہ
رہی وہ نشۂ محبت یوسفی سے بالکل چور اور متوالی ہو رہی تھی اس
گفتگو کو سن کر بہت زیادہ بے کیف و سراسیمہ ہوئی۔ یہ عورت کی فطرت ہو
کہ جب کبھی اسکی محبت کو ٹھکرایا جائے تو وہ بالکل انتقامی جذبہ پیدا ہو جاتی
ہے۔ عورت جب کسی سے محبت کرتی ہے تو چاہتی ہے کہ خود جب وہ دوسرے
کے لیئے تباہی و بربادی پر آمادہ و مستعد ہو جاتی ہے۔ تو اپنے چاہنے والے
کے لیئے ہر صعوبت برداشت کرنے کو تیار نظر آتی ہے۔ عورت کو جب اس
کی ذات سے ضد ہو جاتی ہے تو مذہب و اخلاق اسکی راہ میں نہیں رکتے
زلیخا یوسف کے اس مدلل جواب سے اس قدر بے دل و بے حوصلہ ہو
رہی تھی کہ وہ ہر معصیت و اخلاق شکن باتوں کے لیئے تیار نظر آتی تھی
اس کی قوت احساس بالکل جواب دے چکی تھی ؂

برقے کہ جانہا سوختی دل از جفا سر رشتہ ہیں
شوخے کہ خونہا ریختی دست از حنا پاکش نگر

کے مصداق نظر آتی تھی۔ اس کی نظر میں تمام کائنات ممدوحہ معصیت نظر
آرہی تھی۔ یوسف نے جب زلیخا کی جانب نظر کی تو اسکی آنکھیں آبدیدہ
نظر آئیں۔ حضرت یوسف کو رحم آگیا۔ فرمایا کہ "اے میرے باپ اسرائیل
کے خدا عزوجل و علا جو ہر شئے کو چلاتا ہے۔ اور ظلمت سے نور۔ ناحق سے
حق اور موت سے حیات پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس دوشیزہ کو اپنی برکت عطا
کر اپنی قدرت سے اسکو راہ راست دکھلا اور اس کا شمار ان اشخاص
میں کر جو مخلوقات عالم کی تخلیق سے پیشتر تیری نظر میں برگزیدہ ہو چکے ہیں۔"

زلیخا اس دعا سے متاثر و مسرور ہوئی۔ پلٹ کر جب وہ اپنے حجرہ میں
آئی تو اسکو ضعف محسوس ہو رہا تھا۔ غم مسرت و خوف کے مشترکہ جذبات
نے اسکے دل و دماغ کو بے ہیجان کر دیا تھا۔ وہ بے حس و حرکت پلنگ پر گر پڑی
خداوند کریم کے مبارک ذکر سے اس کا جسم پسینہ سے شرابور ہو گیا۔ اور

پہلی بار اس نے اپنے قدیم و محبوب بتوں کی جانب سے اعراض کیا۔ حضرت یوسف اسی روز شہر سے روانہ ہو گئے۔ ان کے جاتے ہی زلیخا نے کھانا پینا سب ترک کر دیا۔ راتوں کو تنہا جاگتی رہتی اور وقت زار و قطار روتی۔ اور دن کو اکثر سینہ کوبی سے اس کو آرام ملتا تھا۔ جب اسکی ہم عمر لڑکیاں اس کا سبب دریافت کرتیں تو وہ حیلۂ محبت سے ان کو اپنے پاس سے ٹال دیتی۔ بالآخر ایک دن اس نے اپنے کمرہ ذیشان بے شمار سیم و زر کی بنی ہوئی مورتوں کو اٹھا کر چور چور کر ڈالا جن کی وہ اور اس کے اہل خاندان ہمیشہ پرستش کرتے آئے تھے۔ اور ان تمام ریزوں کو جو مورتوں سے پیدا ہو گئے تھے۔ گداگر فقیروں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

آٹھ دن تک نہ کچھ کھایا نہ پیا اب وہ بالکل مصمم قصد کر چکی تھی کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کی پرستش نہیں کرے گی۔ ایک دن اس نے اپنے نفس سے کہا کہ :۔

"سنتی ہوں اسرائیلیوں کا خدا سچا۔ زندہ۔ رحیم و رحمن اور الطاف و اکرام کا سرچشمہ ہے۔ میں بھی اسکی پناہ میں آتی ہوں"

یہ قصد کر کے اس کمال رقت و زاری سے درگاہ صمدیت میں مناجات کی اس کے بعد ہی فرشتہ میکائیل کی شکل نظر آئی جس نے اسکو یوسف کے ازدواج میں آنے کی بشارت دی۔ اس فرشتہ کی شکل بالکل حضرت یوسف سے مشابہ تھی۔

بہر حال اس بشارت کے بعد حضرت یوسف پھر شہر مصر میں آئے اور زلیخا عقیدۂ توحید کی قائل اور بت پرستی سے دست بردار ہو کر ان کے عقد میں آئیں نکاح کا اہتمام خود فرعون مصر نے کیا۔ اور ایک ہفتہ تک تمام مملکت مصر میں شاہی تزک و احتشام کے ساتھ جشن مسرت منایا گیا۔

یہ ہے وہ کتبہ جو مصر کے علماء آثار قدیمہ کو دستیاب ہوا ہے حسن و عشق کی ایسی صدہا داستانیں اسلامی تاریخ کے اوراق کی سرمایہ ہیں۔ جن میں ہمیشہ حق کا غلبہ رہا ہے مسلمانوں نے اگر عشق و محبت کی وادی میں قدم رکھا ہو۔ تو وہ بھی شرعی حدود کے اندر اسکر و انلڈ کا قول یقیناً سچا ہے کہ :۔

"سچی محبت ہمیشہ دو دلوں کو
جنم دیا کرتی ہے"

جلاوطنی کے ایام

قیصر جرمنی کی درد انگیز تقریر

دو قوتیں ہیں جو اس جلاوطنی میں میرے دل میں ہمیشہ صبر و سکون پیدا کرتی رہتی ہے :-

فرض کی جانب میرا احساس اور زندگی کی بابت میرا ذاتی نقطۂ نظر

"اب میں ستر برس کا ہو چکا ہوں لیکن جب کبھی اپنی پچھلی زندگی پر نظر ڈالتا ہوں۔ میرا دل خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے۔ کیونکہ میں صرف اسی فلسفۂ حیات کا قائل اور عامل تھا۔ جو مذہب نے مجھے سکھایا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا شہنشاہ اور زیادہ سے زیادہ فاقہ مست فقیر سب اللہ کی نظر میں یکساں ہیں اور اس دنیا میں خدا کی مشیت پوری کر رہے ہیں۔

ہم انسان صرف وہی کر سکتے ہیں جو اس ذات برتر کی مشیت سے ہم پر فرض ہے۔ کہ اپنے خالق کی مشیت زیادہ سے زیادہ مستعدی اور زیادہ سے زیادہ خوش دلی سے پوری کریں۔ اور جو قوتیں اس نے ہمارے اندر ودیعت کی ہیں۔ انہیں زیادہ سے زیادہ ترقی دیں۔ اور ان سے بہتر سے بہتر کام لیں۔ تاکہ جب زندگی کی شام آئے تو ہم مسرت و اطمینان سے محسوس کر سکیں کہ ہم خدا اور ضمیر کو خوش کر چکے ہیں۔ میرا پختہ ایمان ہے کہ خدا کی مشیت کے بغیر ایک ذرہ بھی ہل نہیں سکتا اور یہ کہ ہمارا بھروسہ اور تکیہ سراسر اسی ذات برتر پر ہونا چاہئے۔ میرے خیال میں یہی انسانی زندگی کا مقصد اور کمال ہے"

"ہم بار ہا خدا پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے باوجود کامیاب نہیں ہوتے۔ کیا جرمنی کا دعویٰ نہ تھا کہ وہ خدا پر بھروسہ کرتا ہے مگر اسکے باوجود شکست اور تباہی سے بچ نہ سکا۔

"جرمن کو شکست کا منہ صرف اس وجہ سے دیکھنا پڑا کہ اپنے تمام کاموں میں خدا کی اطاعت نہیں کرتا تھا۔ جرمن نے خدا کی مشیت کے بموجب عمل نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منہ کے بل گر پڑا۔ خدا کی مشیت یہ ہے کہ انسان بڑے مقصد کے لئے بڑی قربانیاں کرے۔ جرمن نے قربانی کرنے میں کوتاہی کی اور جنگ کے آخر میں خطروں کا مقابلہ کرنے سے جی چرایا۔ حالانکہ خطرات کا مقابلہ کرنا ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔

بلاشبہ جرمن قوم نے پچھلی جنگ میں ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے کہ عقل ان کو سمجھ نہیں سکتی۔ لیکن آخر میں اسکی ہمت پست ہوگئی۔ حالانکہ اللہ پر کامل ایمان رکھنے والے کی ہمت کسی حال میں بھی پست نہیں ہونی چاہئے۔ ہم پر فرض تھا کہ آخری سانس تک لڑائی جاری رکھتے۔

میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ سچا ایمان کیسا ہوتا ہے؟ ۱۹۱۴ء کے مشرقی میدان جنگ کا میں نے معائنہ کیا۔ ہنڈن برگ وہاں کا سپہ سالار تھا۔ میں نے اس سے سوال کیا۔ "تم زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتے ہو؟"

اس نے جواب دیا "اگر ایک کے مقابلہ میں ایک سپاہی ہو تو ہمیں فتح ہوگی۔ اگر ہمارے ایک کے مقابلہ میں دو دشمن ہوں۔ تو بھی میدان ہمارے ہی ہاتھ رہے گا۔ تین کے مقابلہ میں بھی ہم ہی کامیاب ہونگے اگر چار دشمن ایک کے مقابلہ پر ہوئے تو فتح حاصل کرنے کے لئے مشقت کرنی پڑے گی۔ اگر پانچ ہوئے تو مشقت اور بھی زیادہ ہو جائیگی اگر چھ ہوگئے تو بھی ہم جان لڑا دیں گے اور جس طرح بنے گا فتح حاصل ہی کر کے رہیں گے"

یہ ہے سچا ایمان! واقعہ یہ ہے کہ ہمارے ایک آدمی کے مقابلہ میں دشمن کے تین آدمی تھے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس پر بھی ہمیں فتحیاب ہوتے۔ بشرطیکہ ہمارا ایمان پختہ ہوتا۔ مگر ہم خدا کو بھول گئے۔ آدمی کی قوت پر بھروسہ کر لیا۔ اور ولسن (سابق پریسیڈنٹ امریکہ) کے چودہ اصول پر ایمان لے آئے۔ جو محض ہمیں بیوقوف بنانے کے لئے تیار کیے گئے تھے۔

میں کلام الٰہی ہی کی تعظیم کرتے ہوئے بوڑھا ہو چکا ہوں میرے

والدین جب کہ میں بالکل بچہ تھا اس وقت بھی روز بلا ناغہ مجھے کتاب مقدس سنایا کرتے تھے۔ بچپن ہی سے میرا یہ اصول ہے کہ اسوقت تک کوئی کام نہیں کرتا جب تک اسے کلام اللہ کی میزان میں پوری طرح تول نہ لوں۔ مجھے یقین ہے کہ آج تک میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو میرے ضمیر کے خلاف ہو۔ میرے خیال میں ”ضمیر“ ہی اللہ کی آواز ہے۔“

”میرا ایمان ہے کہ میرا یہ جو کچھ حشر ہوا ہے۔ اس سے خدا کی غرض محض میرا امتحان ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ ایمان کی جانچ کے لئے ہم مصیبتوں میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں۔ میں نے اپنا حشر پورے سکون۔ پوری خاموشی اور پوری عاجزی کے ساتھ قبول کر لیا ہے کیونکہ خوب جانتا ہوں کہ میں جرمنی کے تخت پر جلوہ افروز ہوں یا یہاں دیہات میں ایک معمولی شہری کی حیثیت سے مقیم رہوں دونوں حالتیں خدا ہی کی مشیت کے ماتحت ہیں۔

میں دنیا کی ایک بہت بڑی شہنشاہی پر حکمراں تھا۔ اور صرف اس لئے حکمراں تھا کہ خدا کی عظمت کا بول بالا ہو۔ اور اب اسکی عظمت کے لئے یہاں اس گاؤں میں بھی مقیم ہوں۔ بلا شبہ میرے سر سے تاج شاہی گر گیا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح خدا نے میرے ایمان کی جانچ کرنی چاہی ہے۔ میں انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ اتنی سخت آزمائش پر بھی میرا ایمان ہے وہ اب تک بدستور ایک عظیم چٹان کی طرح میرے دل میں موجود ہے۔ اور اس میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی ہے۔

ممکن ہے خدا مجھے میرے گم شدہ تاج و تخت تک پہونچا دے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسی جلا وطنی میں میری زندگی کا خاتمہ کر دے۔ مجھ اسکی کوئی فکر نہیں ہے۔ میں دونوں حالتوں میں اسکی مشیت کا مطیع ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح تخت شاہی پر بیٹھ کر میں اسکی خدمت کر سکتا ہوں۔ اسی طرح یہاں ایک معمولی آدمی ہو کر بھی اس کی خدمت بجا لا سکتا ہوں۔

میں اپنی موجودہ حالت سے بیزار نہیں ہوں۔ مجھے کلاہ شاہی کے گر جانے کا ذرا بھی افسوس نہیں ہے جو کبھی میرے ماتھے پر جگمگاتی تھی میرا ضمیر بالکل مطمئن ہے کیونکہ میں نے جان بوجھ کر کبھی کسی سے کوئی برائی نہیں کی ہے۔ خدا لوگوں کا حال بہتر جانتا ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ میں نے اسکی مشیت کے بموجب عمل کیا۔ یا غفلت برتی۔

بہت ممکن ہے کہ خدا کی اب مشیت یہ ہو کہ میرے ذریعہ پچھلی سی ہیبت ناک جنگ کے حقیقی اسباب دنیا پر ظاہر کر دے۔ اسی خیال کی وجہ سے میں جنگ پر اپنی کتاب لکھنے میں بڑی محنت کر رہا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ میرے ذریعہ وہ جرمن قوم کے دلوں میں اپنا ایمان، از سر نو زندہ کرنا چاہتا ہے۔ یا اس کے سوا کوئی اور خدمت وہ ذات پاک مجھ سے لینا چاہتی ہے۔ میرے خیال میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک جلا وطن آدمی بھی کر سکتا ہے جو ایک بادشاہ تخت شاہی پر بیٹھ کر نہیں کر سکتا۔

خدا کے مجھ پر بے حد و حساب احسانات ہیں۔ اس کا ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ اس نے مجھے یکے بعد دیگرے دو بیویاں بخشیں جنکی وفاداری اور پاک محبت میرے دل کے زخموں کیلئے بہترین علاج ہوئی ہے۔

دنیا میں بہت کم ہی لوگ ایسے گزرے ہیں جو اتنی بلندی سے گرے ہونگے جتنی بلندی سے میں گر چکا ہوں مگر اسپر بھی میں بدقسمتی کا شاکی نہیں ہوں۔ میرے لئے اپنے پایہ تخت میں شان و شوکت سے واپسی اور اس حقیر گاؤں میں تنہائی کی موت دونوں برابر ہیں میں ہر حال میں خدا کی مشیت سے راضی اور اس کے فیصلہ کا مطیع ہوں میں اپنی باقی زندگی اس طرح گزاروں گا کہ ساری دنیا کے لئے عبرت و نصیحت کی زندہ مثال بن جاؤں۔ میں تمام جہان پر ثابت کروں گا کہ مصائب کے پہاڑ ایمان کو کچل نہیں سکتے! لیکن میرے ایمان و تقوی میں رہبانیت اور خشکی کا دخل نہیں ہے۔ میں خدا کی پیدا کی ہوئی تمام نعمتوں اور جائز مسرتوں سے متمتع ہوتا رہوں گا۔ اس میں سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی مسرت میری رفیقہ حیات بیوی کی محبت ہے۔

بڑا آدمی

(حضور مُلّا رموزیؔ کے قلم سے)

انگریزی زدہ اور یورپ رسیدہ طبقوں میں آجکل حکومت جرمنی کے نئے "چانسلر ایڈولف ہٹلر" کی ذات جاذب توجہ اور قابل تذکرہ بنی ہوئی ہے اسطرح نہ یورپ والے اپنی روایتی خود پسندی اور شاہپر پرستی کے جذبے سے ہٹلر کی تعریف و توصیف میں زمین کو آسمان پر رکھ دینے کے ارادہ سے سرگرم عمل ہیں، یورپ کے جرائد رسائل مصنفین مصور سینما اور تھیٹر تک ہٹلر کے حالات کو دنیا جہان سے نرالے اچھوتے انوکھے دبدبہ انگیز حیرت انگیز اور عظیم الشان لکھنے اور دکھانے میں مصروف ہیں غرض حکومت اٹلی کے وزیر اعظم مسولینی کے بعد یورپ والوں کو ہٹلر مل گئے ہیں جن کی عظمتوں اور شاندار خصوصیات کے آگے اب کسی کا چراغ ہی نہیں جل سکتا۔ لطف تو اس وقت آتا ہے جب ہندوستان ایسے غلام آباد ملک کے چندوں اور قربانی کی کھالوں سے بنائے ہوئے انگریزی اسکولوں کی نویں دسویں جماعت تک کی قابلیت کے غرور میں ہٹلر کے یورپی پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر اسکی توصیف و مدحت میں سرگرم نظر آتے ہیں اور ایسے ہی درجہ سوم ہندوستانی ہیں جو ہٹلر کے حالات کو اپنے پرچوں میں اس درجہ بلند کر کے شائع کر رہے ہیں گویا انھوں نے دنیا میں پہلی مرتبہ "بڑا آدمی" دیکھا ہے۔

مگر یہ برادرکش ہندوستانی، جب خود ہی ۹۵ فی صدی جاہل مشہور ہو چکے ہیں تو پھر ان غریبوں کا ذہن و دماغ اس راز کو کس طرح معلوم کر سکتا ہے کہ مسولینی اور ہر ہٹلر نیا پر مارشل مصطفےٰ کمال پاشا کے ذہنی شاگرد ہیں اور آج یورپ میں مسولینی اور ہر ہٹلر جن کارناموں کی بنا پر دنیا کی سب سے عظیم الشان ہستیاں متوانی جا رہی ہیں وہ لفظ بلفظ نقل ہے مارشل مصطفےٰ کمال پاشا کے حربی اور سیاسی نظام عمل کی۔ یہ تو ایشیا کی بدنصیبی ہے کہ اسکی آبادیاں جہل و غلامی کے ہاتھوں بیکار ہو چکی ہیں ورنہ اگر آج ایشیا کو بھی علم و دولت مندی اور پراپیگنڈا کی اتنی ہی صلاحیتیں حاصل ہوتیں تو ایشیا بلکہ دنیا اس سب سے عظیم الشان ہستی یعنی مصطفےٰ کمال کو پہچانتی کہ وہ اپنے اعمال اور اپنی ذات میں عقل و فراست اور بے شمار بندگان خدا کو بام عروج تک پہونچانے کی کتنی گوناگوں اور ناقابل احاطہ قابلیتیں رکھتا ہے۔

مگر ایشیا خصوصاً مسلمانان ہند کی بدنصیبی کہ وہ اپنوں سے نفور اور بیگانوں کی خواہ مخواہ کی تو توں کو بھی مان لینے پر بے تامل اس لئے تیار رہتے ہیں کہ انہیں تعلیم ہی اس رنگ کی دی گئی ہے اور دیجا رہی ہے جس میں اپنوں کی عزت کرنا ہی نہیں سکھایا جاتا۔ ہندوستان کا یورپ زدہ طبقہ مسولینی اور ہٹلر کی اس صلاحیت پر ہی چراغ پا یا انگشت بدندان ہے کہ ان لوگوں نے بغیر کشت و خون کے ایک ذہنی و عملی انقلاب کی قیادت کی مگر ہندوستان کے یہ روپیہ کے دس بارہ سیر گیہوں کھانے والے بیچارے بی۔ اے، رسیدہ نہیں غور کرتے کہ مارشل مصطفےٰ کمال پاشا نے ڈیڑھ کروڑ جنگجو ترکوں کے منہ میں رہ کر اور ان کی تقریباً چھ سو سال کی خالص مذہبی اور دینی ذہنیت اور عقیدت کے علی الرغم خلافت کو جمہوریت میں یوں بدل کر رکھ دیا کہ خلیفہ ایسی شاہانہ روایات کی ہستی کو جلا وطن کر دیا مگر نہ ایک گولی چلی نہ ایک بم پھینکا گیا۔ مگر مسولینی تو شاہ اٹلی کو معزول نہ کر سکے، ہٹلر نے وان ہنڈن برگ کی صدارت چھین لینے کی جرأت کی۔ پھر ان حالات اور مسلمہ واقعات پر بھی ہندوستانی لوگ اپنوں کو حقیر اور غیروں کو معزز مان لینے پر جب تک تیار نظر آئیں سمجھ لو کہ اس وقت تک ان میں غلامی کے اثرات اور تعلیم غیر کے اثرات موجود ہیں۔

یہ مقابلہ تو اس لئے تھا کہ ہندوستانی کسی طرح تو اپنوں اور اپنی چیزوں کی عزت کرنا سیکھ جائیں لیکن دیانت اور صداقت کی جو تعلیم اسلام نے دی ہے اور "خذ ما صفا" کا جو تقاضہ ہے اس کے تحت ہم بتاتے ہیں کہ وان ہر ہٹلر صدر اعظم جرمنی سے ایک بات آپ بھی سیکھ لیجئے۔ چنانچہ ہر ہٹلر کی تجویز ہے کہ جرمنی میں دستور ویمر کی رو سے جو خطابات اور اعزاز گذشتہ

کو حاصل ہوا اسے یکسر منسوخ کر دیا جائے۔ یعنی جرمنی کے جتنے خان بہادر
اور رائے بہادر ہیں وہ یک لخت غیر خان بہادر یا سابق خان بہادر
اور حال غیر خان بہادر بنا دیے جائیں۔ لیکن یورپ کی اس مشہور ہستی
نے اس "خان بہادر شکن تجویز" میں ایک قابل تقلید استثنا بھی رکھا ہے
اور وہ یہ ہے کہ صرف وہ لوگ خطاب و اعزاز سے بدستور ممتاز ہیں
جن کا تعلق "قومی انقلاب" یا ادب و سائنس سے ہے۔

اے قربان جائیے ہر ہٹلر کی اس علم دوستی اور ادب نوازی کے دیکھا
آپنے یہ علم نواز استثناء۔ اب بتائیے کہ جن قوموں کے جنگی رہنما تک علم
و ادب نوازی میں اتنے مستعد اور فیاض حوصلہ ہوں وہ قومیں ہندوستان
اور دنیا پر حکومت کریں گی یا آپ کے ہندوستان کے وہ قائد اور دولتمند
جو وطنی علوم، وطنی زبانوں اور وطنی ادب کو برباد کرنے پر تلے ہوئے
ہیں کہ آج ہندوستان کے دولتمندوں امیروں اور افسروں تک کی
زندگی کے ہر گوشے میں انگریزی زبان یوں گھسی ہوئی ہے کہ پولیس والے
بھی نکالیں تو نہ نکال سکیں۔ ان کی دولت "ریاینیر" "ٹائمس" اور
ملٹن اور شکسپیر اور برنارڈ شا کے ذخیرۂ ادب پر تو صرف ہوتی ہے۔ مگر
اردو کے کتنے بدنصیب اہل قلم ہیں جو ہندوستانی دولت مندوں کی
بے اعتنائی اور بے توجہی کے ہاتھوں آج حیدرآباد میں نظام حیدرآباد کی دوھائی پکارتے پھرتے ہیں۔ مگر ان بے خبروں کو کیا علم کہ وہ
وقت قریب ہے جب تاریخ وطن کے صفحات ہندوستانی دولتمندوں
کی اس ادب دشمنی اور وطنی خدام سے اس بے خبری کا وہ انتقام لے گی
جس کی رسوائیاں دائمی ہوں گی۔

کیا نوجوانان ہند اپنی تحریکات میں وطنی زبانوں کی نقد سرپرستی
کو بھی شامل کریں گے۔ جبکہ ان کے مغربی آقا ہر ہٹلر نے ادب نوازی کا
مذکورہ بالا اہتمام و احترام کیا ہے ؟؟؟

گاندھی جی کی روزہ بازی

آج کل کے اہم واقعات میں سے ایک واقعہ گاندھی صاحب کا روزہ اور سول نافرمانی کا التوا ہے۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ ایک خالص
سیاسی رہنما کا کام سیاسی تدابیر ایجاد کرنا ہے یا "روزہ بازی" ؟
سو ظاہر ہے کہ گاندھی جی نے اس بات کا بہت صحیح اندازہ کیا ہے
کہ ہندوستانی باشندے بہت کثرت قسم کے مذہب پسند واقع ہوئے ہیں۔
لہٰذا ان سے کوئی شخص لینن، ہٹلر، مارشل مصطفیٰ کمال بن کر کام نہیں لے سکتا۔
بلکہ ان سے کام لیا جا سکتا ہے تو صرف اس طرح کہ آدمی سب کچھ چھوڑ کر
ان کے سامنے یا پیر بن جائے یا ولی، یا مہاتما بن جائے یا سنیاسی
پھر وہ حکم دے تو ہندوستانی جان و مال سے تعمیل میں حاضر و مستعد نظر
آتا ہے۔

پس گاندھی صاحب جناب ہر وقت رمضان شریف بنے رہتے ہیں
تو قائدانہ اقتدار کے حصول کا یہ وہ مجرب نسخہ ہے جو افسوس کہ اپنے
مولانا ابو الکلام آزاد کو مسیح الملک مغفور کے "مجربات" میں سے نہ مل سکا
ورنہ وہ بھی آج آٹھ دس کروڑ مسلمانوں کے "واحد لیڈر" ہوتے۔

بارے دیکھنا یہ ہے کہ گاندھی صاحب تو پندرہ کروڑ ہندوؤں میں چھ
سات کروڑ اچھوت کو ملا کر پورے ہندوؤں کو ۲۲ کروڑ ثابت کرنے کے لئے
اپنی جان تک کو روزہ نماز بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن مسلمان لیڈروں میں
اول تو نمبر اول کی سیاست دانی ہی مفقود ہے اور جو کچھ ہیں بھی تو
ان میں سے کام کے لیڈروں کو گاندھی صاحب کی مرضی سے ہٹ کر مسلمانوں
کو متحد کرنے کی صلاحیت ہی حاصل نہیں۔ اور جو مسلمان لیڈر تیسرے
درجے میں ہیں وہ مسلمانوں کے اندر ہی اتنے اچھوت پیدا کر دینے پر
تلے ہوئے ہیں کہ دس مولانا ظفر علی خان اپنا مطبع اور اخبار ضبط کراتے
کراتے مر جائیں تب بھی مسلمانوں میں کوئی وحدت اور مرکزیت پیدا نہ ہو سکے۔
بس یہ فرق ہے زندہ اور زوال یافتہ اقوام کے لیڈروں میں بہر حال
اس وقت اسلامی ہندوستان ایک ذی اقتدار لیڈر یا "مسلمان ڈکٹیٹر"
سے جو خالی ہے تو بعض شکست خوردہ لیڈر اپنی کمین گاہوں سے تاک
رہے ہیں کہ کب وقت آئے کہ پھر وہ کسی نئے بھیس میں رہنمائے اعظم بن کر
میدان میں آ جائیں ؟

بارے گاندھی جی تو بہ مصلحت "ہندوؤں کے مولانا صاحب" بنتے
چلے جا رہے ہیں لیکن ڈر یہ ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کے
کے ہاتھوں کہیں اپنے مولانا ابو الکلام آزاد کسی "جامع مسجد" کے شاہی امام
بن کر نہ بیٹھ جائیں !

القصہ سول نافرمانی کا التوا ایک ایسی چیز ہے جہاں سے عوام
اور حکومت کے درمیان صلح و مصالحت کی ایک نئی راہ پیدا ہوتی ہے۔

مگر اس پر کامیابی سے چلنے کے لئے نہایت درجہ اونچے تدبر و تحمل کی ضرورت ہے ، خدا کرے کوئی پر امن سمجھوتہ ہو جائے تاکہ ملاحوذی بھی کوئی برا عہدہ پائے ۔

چلئے اور ذرا اپنی نئی نسل کے ہیجڑوں زنانوں خنثوں یعنی اسکولوں اور کالجوں کے ریشمی صاحبزادوں کے متعلق اس عام رائے کو ملاحظہ فرما لیجئے جو ان کی فیشن زدہ زندگی اور ان کے نسائی خواص کے متعلق پیدا ہو چکی ہے اور ہو سکے تو ملا رموزی کی تلاش کی داد بھی دیجئے چنانچہ شہر ملتان سے ایک ہفتہ وار اخبار بنام "نیولائٹ" شائع ہوتا ہے وہ اپنی اشاعت مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۳۳ء کے صفحہ اول پر لکھتا ہے ۔

تختہ الٹ دیا ہے فیشن کے زادوں نے ﴿ محتاج کر دیا ہے رسمی حماقتوں نے
پیتلوں نے کالروں کو توڑ مروڑ نے ﴿ بڑھیا لونڈروں نے تیلوں کی شیشیوں نے
دنیا کے ہر شے ریکے تعلیم نے بگاڑا ﴿ ابھی یہ رہبری کی انگریزی کالجوں نے
میں چاہتا ہوں پھر وہ سادی سی زندگی ہو ﴿ صیقل نہ کی ہو جس پر جھوٹے تکلفوں نے

یہی اخبار اپنے صفحہ ۳ پر لکھتا ہے کہ :-

"ہماری بڑھنے والی نسلیں جیبوں میں کنگھیاں ڈالے ، مانگیں نکالے زلفیں سنوارے ان ہستیوں کو ہڑپ کر جانے والی بازاریوں کی طرح منہ پر پاؤڈر لگائے طرح طرح کی پوشاکیں زیب تن کئے انداز معشوقانہ سے ادھر ادھر دیکھیں اور توقع کریں کہ کوئی گاہک نکل آئے اور ہمارا ذریعہ معاش بن جائے "

اخبار "نیولائٹ" کی اس عبارت کو وہ ہیڈ ماسٹر پروفیسر اور ماسٹر پڑھیں جو خود بھی اپنی ڈاڑھی مونچھ منڈا کر مذکورہ بالا قسم کے لڑکوں کے ہم شکل بنکر اسکولوں اور کالجوں میں آتے ہیں اور اپنی زنانہ صورت اور زنانہ سیرت سے ہماری نسل کے نوجوانوں کو ہیجڑا اور خنثہ بنا رہے ہیں پس لعنت ہے قوم کی اس بے حسی پر کہ وہ اخلاق و سیرت کے ان تباہ کرنے والوں کو کیوں برداشت کر رہی ہے ؟

اب اور چلئے اور فیشن کے ماروں کے خلاف ایک سب سے آخری سن لیجئے چنانچہ رسالہ "سہیلی لاہور" جو عورتوں کا رسالہ ہے اور عورتوں ہی کے اہتمام سے شائع ہوتا ہے اسکی محترم ایڈیٹر فوٹشا بہ خاتون اسکی اشاعت بابت ماہ اپریل ۱۹۳۳ء کے صفحہ ۳۳ پر لکھتی ہیں :-

"محترمہ ام البنات رقیہ بیگم رتی کا مضمون جو اسی پرچہ میں شائع ہو رہا ہے اس میں موصوفہ نے نہایت سادہ اور عجیب پیرایہ میں فیشن سے کنارہ کشی کی ہدایت کی ہے چاہئے تو یہ تھا کہ ہم ماضی و حال کی رفتار کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی ضروریات کو کم کر دیتے مگر اس گرانی کے زمانے میں ہماری بعض ضروریات کچھ اس طرح بڑھ گئی ہیں کہ خدا کی پناہ ، گزشتہ زمانے کی سادگی اور بے تکلفی کہاں ؟ اب تو نئی تہذیب کا جال دم گھونٹ دیتا ہے ۔ خاص کر طالب علموں اور طالبات کے والدین ان کے فضول اخراجات سے تنگ آکر تعلیم سے متنفر ہو جاتے ہیں اور درحقیقت ان والدین کے لئے موجودہ طرز تعلیم اور فیشن کی بلا بلائے جان ہو جاتی ہے وغیرہ "

مسلمانان ہند یا ایشیائی باشندوں کے اخلاقی آداب میں ایک مسلمہ ضابطہ یہ بھی ہے کہ جس بات سے مرد میں غیرت اور جوش پیدا نہ ہو اگر اس بات کو مرد سے عورت کہے یا مرد کی کسی حرکت پر عورت آوازہ کسے تو مرد اس پر تاؤ کھا کر اپنی غیرت کا آخری مظاہرہ کرتا ہے ۔ پس اسکولوں اور کالجوں کے فیشن زدہ لڑکوں پر جب مذکورہ بالا الفاظ میں ایک محترم خاتون لکھنے پر مجبور ہو گئی تو قاعدہ کی رو سے ایسے تمام طلبہ کو اپنے فیشنی لباس میں ڈوب مرنا چاہئے ۔

مگر یاد رکھئے کہ لڑکوں سے پہلے ان کے پرورش پری پیکر اور پری رو استادوں ، ہیڈ ماسٹروں ، پروفیسروں اور فیشن ایبل والد صاحبان کی غیرت کو ابھارنا ہے جسے خدا ہی ابھارے تو ابھارے ہمیں تو قحط زدہ ہندوستانیوں کی لندن رسیدگی اور انگریزی خوردہ ذہنیت سے توقع نہیں البتہ قحط سالی سے توقع ہے کہ یہ ریشمی پن دور ہو جائیگا ۔

(صوفی)

صنف نازک

(محترمہ آمنہ خاتون از میرٹھ)

ممالک مشرق، مذہبی، سیاسی اور جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن فطرت نے ان میں بعض ایسی اشتراک پسند خصوصیات ڈیعت فرمائی ہیں جن کی وجہ سے وہ ان تمام اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی باطن میں ایک ہیں جس طرح مشرق کے دو ملکوں کے باشندوں میں قد و قامت، رنگ روپ بول چال، اور طرز معاشرت کے لحاظ سے اختلاف ممکن ہے بالکل اسی طرح ان کے جذبات کا اتحاد بھی خارج از امکان نہیں۔ غرض مشرق کے مردوں اور عورتوں میں خواہ وہ جاپان کے رہنے والے ہوں یا عرب کے باشندے روس کے شمالی حصوں میں مقیم ہوں یا ہندوستان کے جنوب میں ایک ایسی ذہنیت پائی جاتی ہے کہ جس کے خاص عنصر شرم و حیا اور عفت و پاس ناموس ہیں۔

چونکہ اہل مشرق ہمیشہ سے شرم و حیا اور عفت کے حامل ہی نہیں رہے بلکہ اس کی حمایت اور حفاظت کو اپنا فرض سمجھتے رہے، اس لئے جہاں کہیں بھی یہ خوبیاں نظر پڑیں انہوں نے اسے سراہا اور اس کی عزت کی، اسی جذبہ کا نتیجہ یہ تھا کہ پاس ناموس اور حفظ عفت میں نہ معلوم کتنی جانیں مشرق کے نامور فرزندوں کی ضائع ہوئیں اور یہی وجہ ہے کہ مشرق میں جنس اناث کی جو ان تمام اوصاف کا سرچشمہ سمجھی جاتی ہے، اور ہے، ایک خاص معاشرتی حیثیت ہوگئی یہ ناموس کی حمایت اور حفاظت کا خیال ہی تھا جس نے افراد کی حد تک پہونچکر موجودہ صورت اختیار کرلی، یعنی طبقۂ نسواں مردوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہ گیا اور حفظ ناموس اور شرم و حیا کے جو عملی سبق مردوں نے چاہے ان کو پڑھائے، ابتدا میں ممکن ہے کہ تعلیم عورتوں کو خوش آیند نہ معلوم ہوئی ہو لیکن اب تو یہ ان کی فطرت کا ایک جزو بن کر رہ گئی ہے۔ یا بالفاظ دیگر اس کے غیر فطری ہونے کا وہم بھی اب ان کے دل میں نہیں آتا۔

یہی وجہ ہے کہ انسانی کارناموں خاص کر مشرق کی تاریخ میں عورتوں کے کارہائے نمایاں اور جانبازیاں خال خال نظر آئیں گی۔ اور جب کہیں نظر آتی ہیں تو تعجب ہوتا ہے اور شان خداوندی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کہ باوجود ان تمام قیود کے بھی انہوں نے اپنے دل کو فطری جذبات انسانیت کا سرچشمہ ثابت کیا۔ عورتوں کے کارنامے خال خال ہیں، لیکن عملیات کا شاید ہی کوئی ایسا رخ ملیگا جہاں جنس اناث نے ضیا پاشی نہ کی ہو۔

حسن و عشق کی دنیا میں صنف نازک کی جلوہ ریزیاں تعارف و تعریف سے بے نیاز ہیں کون ہے جس نے لیلی و عذرا کے نام نہیں سنے اور کون ہے جس نے تاریخ کے ورق الٹے اور جہانگیر اور شاہجہاں کے ساتھ ساتھ فرمانروایان مملکت حسن نورجہاں اور ممتاز محل کے روشن ناموں کو نہیں دیکھا۔ اخلاق، پاکبازی، فیاضی، حکومت اور بہادری کی دنیا بھی عورتوں کی عملی عرق ریزی اور جانفشانی کی بدولت منور ہے حریت کا جو جذبہ اس کے اندر موجزن تھا اور ہے اس کی نظیر اس دنیا میں تو ملتی نہیں۔ شاعری کا ذکر ہی کیا کہ اس انعام میں مرد اور عورت برابر کے حصہ دار ہیں۔ حسن عملی اور بلند نظری کی زندہ مثالیں فاطمۂ زہرا اور زینب ہیں، حکومت اور بہادری کی جیتی جاگتی تصویریں رضیہ اور نورجہاں اور اہلیہ بائی، سیتا کا نام عفت میں ضرب المثل ہے

تو وہ دیدی کا خدا پرستی میں۔ میدان حریت میں جہانسی
کی رانی نکلا اور زمین شعر میں زینب النساء مخفی کے نام شاہد ہیں
کہ ہماری عورتیں رہبری بلکہ رہنمائی میں بھی کسی سے پیچھے
نہیں رہیں۔

یہ چند نام ہیں، لیکن ان کے علاوہ اگر تمام
قابل ذکر عورتوں کے ناموں کا اضافہ اس فہرست میں
کر دیا جائے تو بھی مشرق کے عرصہ روزگار کے طول و
عرض میں یہ فہرست بہت مختصر نظر آئے گی۔ تاہم
اس سے یہ اندازہ ضرور ہو سکے گا کہ شاید ہی کوئی مستحسن
میدان عمل ہو جہاں عورتوں کے نشان نہ ملتے ہوں۔
ہاں ایسی عورتیں کم ملیں گی جنہوں نے اپنے سرتاجوں کے
دل پر حکومت کی اور ان کے ملک پر بھی اس خصوصیت
کی بنا پر جس طرح ہندوستان میں نورجہاں کا نام
مشہور رہے اسی طرح زبیدہ کا نام بغداد کیا تمام اسلامی
دنیا میں زد خاص و عام ہے، یہی زبیدہ ہے جس کیطرف
شیخ سعدی نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

نہ انجیر مصر است ہر میوۂ
نہ مثل زبیدہ است ہر بیوہ

زبیدہ خلیفہ ہارون رشید کے چچا کی لڑکی اور اسکی
ملکہ تھی اس کا اصلی نام امۃ العزیز تھا، عربی میں زبیدہ اس
آے کو کہتے ہیں جس کو گھما کر مکھن نکالا جاتا ہے۔ چونکہ اس کا
دادا منصور اسے اپنے ہاتھوں پر نچاتا اور کہا کرتا تھا کہ تو
زبیدہ ہے تو زبیدہ ہے اس لئے اس کا نام زبیدہ پڑ گیا
تاریخ اسلام میں یہ پہلی لڑکی ہے جس کو اس نام سے
پکارا گیا ہے ورنہ اس سے قبل اہل عرب کو سان و گمان
بھی نہ تھا کہ زبیدہ کسی انسان اور وہ بھی لڑکی کا نام
ہو سکتا ہے۔

زبیدہ کا سن ولادت تو معلوم نہیں لیکن تاریخی
کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی شادی سنہ ۱۰۵ء میں
ہوئی تھی۔ ہارون رشید کو یہ شادی خوب راس
آئی اس کے بعد ہی اسے متعدد لڑائیوں میں کامیابی ہوئی
اور ان لڑائیوں میں اس نے کافی شہرت حاصل کی۔
یہاں تک کہ خلیفہ وقت کے دل میں بھی جگہ کر لی اور بجائے
ہادی کے ولیعہد نامزد ہوا گو ان جنگی فتوحات اور خلیفہ کے
خاص مراعات کو زبیدہ کے مبارک قدم کا نتیجہ قرار دینا
توہم پرستی سمجھا جائے گا لیکن اسے کیا کیا جائے کہ
انسان اپنی کم عقلی کا ثبوت اکثر دیتا ہے اور اپنی کامیابی
اور ناکامیابیوں کو اس قسم کے اسباب کا ماتحت سمجھتا
ہے، ان غیر معمولی واقعات کا سبب جو کچھ بھی رہا
اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہارون کو جب زبیدہؓ کے
ساتھ ساتھ ولیعہدی بھی ملی تو اس کے دل کو زبیدہؓ
کی طرف ایک خاص قسم کا رجحان پیدا ہو گیا۔ اس کے
علاوہ خود زبیدہ کی خداداد ذکاوت و ذہانت بجائے خود
ایک قوی سفارش تھی۔ یہی سب وجوہ تھے کہ باوجود
متعدد محل ہونے کے ہارون رشید کے دل میں سب سے
زیادہ محبت تھی۔

افسوس کہ ایسی خاتون کی سوانح حیات نے
داستان الف لیلہ میں افسانے کی صورت اختیار
کر لی ہے۔ اور اس داستاں کے روح رواں ہارون
رشید سے متعلق ہو کر زبیدہ کا سارا تاریخی وقار کافور
ہو گیا۔ یاران طریقت نے بھی اس سے بڑھ کر ستم ظریفی
یہ کی کہ زبیدہ کو جعفر برمکی کے قتل کا باعث قرار دیدیا۔
جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آج زبیدہ سے عوام ایک خونخوار
خطرناک اور قاتلہ کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ درحقیقت
میں بقول مترجم مصباح زبیدؓ کو جعفر کے قتل سے کوئی سروکار
نہ تھا، جعفر کا قتل سیاسی ضرورتوں اور ملکی مصلحتوں کی
بنا پر عمل میں آیا تھا جس کی تفصیل یوں ہے۔

جعفر برمکی خلیفہ ہارون رشید کا مشیر کار تھا یوں تو
اپنے علم، خوش انتظامی، نکتہ رسی، دقیق النظری اور فطری
خودداری کی بدولت جعفر نے ہارون رشید کو اول ہی
سے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا، لیکن کچھ عرصے کے بعد تو خلیفہ کی
گرویدگی اس نوبت کو پہونچی کہ بغیر جعفر کے چین نہ آتا تھا

...اس سے لحظہ بھر کی بھی جدائی ناگوار ہوتی تھی۔
ہارون رشید کی ایک بہن عباسہ تھی ان
...ام خوبیوں کے ساتھ ساتھ جو اس طبقہ کا طرۂ امتیاز ہے
...اسن باطنی سے بھی متصف تھی۔ اس کی برجستگی،
...س کے کلام کی ترنم ریز شیرینی نے اس کے حسن
...نداداد کو چار چاند لگا دیئے تھے ہارون کو عباسہ سے
...طری محبت ہونا لازمی تھی، لیکن از دیاد محبت کا قوی
سبب یہی اوصاف حمیدہ تھے جو عباسہ کی ذات میں
...بع تھے۔

ان حالات کو دیکھکر ہر باخبر شخص یہ کہنے پر مجبور تھا
کہ ہارون کی دنیا بس جعفر اور عباسہ کے دل و دماغ کی
گہرائیوں میں مستور و محدود ہے در اصل واقعہ بھی یونہی
تھا اور ہارون کے لئے یہ بات بھی ناگوار تھی کہ پردے کے
موانع کو ایک دوسرے کی موجودگی میں ہارون کی صحبت
سے جدا کریں، عباسہ کی آمد پر جعفر کی رخصت اور برمکی
کے آنے کی خبر سن کر عباسہ کا محفل خلافت کو تاریک
چھوڑ جانا ہارون کو نہایت شاق گذرتا تھا پھر بھی درباری
قیود اور ہر شرعی پابندیاں، ہارون عجب کش مکش
میں تھا، جعفر خاندان شاہی سے تھا نہیں اس لئے
عباسہ اور برمکی کی شادی کا خیال ایک فعل عبث تھا۔

آخر کار ہارون رشید نے ایک تدبیر سوچی، ایسی
تدبیر جس کے بعد اس کی کل دنیا اس کے نظروں کے سامنے
رہ سکے گی۔ ذہن و ذکا کی دو شمعیں ایک ساتھ منور ہو سکینگی
حسن و دلفریبی کے دو عنبر جنس پتلے ایک وقت میں ایک بزم
میں موجود رہ سکیں گے۔

ایسی تدبیر پر عمل کرنے سے قانوناً اور رواجاً تو
عباسہ اور جعفر برمکی کے درمیان زن و شوہر کا تعلق پیدا
ہو گیا لیکن خلیفہ کا سخت حکم تھا کہ یہ تعلق بزم شاہی کی
جلوت تک محفوظ رہے یہ حکم دے کر ہارون رشید خوش
تھا کہ اس نے ایک مرحلہ سر کر لیا اور اب اس کاوش
کا زمانہ ختم ہوا۔

خلیفہ کا حکم تو صادر ہو ہی چکا تھا، عباسہ اور
جعفر محفل میں ساتھ ساتھ رونق افروز ہوتے اور یہی
اس کے اطمینان اور فرحت قلب کے لئے مطلوب
تھا، کچھ عرصہ تک تو کوئی خاص امر پیش نہ آیا البتہ
عباسہ کی شوخیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔

جعفر برمکی خوبصورت اور نوجوان تھا۔ اس میں
وہ تمام جذبات موجود تھے جو اس عمر کے ساتھ ساتھ
انسان میں عود کر آتے ہیں اور یہی حال بعینہٖ عباسہ کا
تھا صرف عورت و مرد کے ضبط اور بے صبری کا فرق تھا
لیکن برمکی جوان ہونے کے باوجود اپنی عالی نسبی کی وجہ سے
حد درجہ غیور اور خوددار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ عباسہ کیساتھ
ساتھ تمام محفلوں میں موجود ہوتا تھا لیکن کبھی اس نے
آنکھ بھر کر کیا معنی کنکھیوں سے بھی عباسہ کی طرف
نہیں دیکھا۔

عباسہ کی ریشہ دوانیوں نے برمکی کی ماں پر جال
ڈالا جس کے ذریعہ سے بالآخر وہ اپنے ارادوں میں کامیاب
ہوئی۔ خودداری اور شرافت کے جس قلعۂ محکم کو عباسہ
ایسی عورت باہزار آلۂ دلفریبی نقصان نہ پہونچا سکی،
اسے شراب کے صرف ایک جرعے نے زمین دوز کر دیا
شراب کا سرور جب صبح کو اترا تو خمار کے ساتھ برمکی کو
پشیمانی بھی تھی، ہارون کے عتاب کا اندیشہ پریشان
کرنے لگا۔ اپنی بدنامی کے خیال نے ہوش حواس گم کر دیئے
لیکن اب کیا ہوسکتا تھا، رات کی باتیں گیا گذرا وقت
ہو چکی تھیں۔ ان کا واپس آنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی
تھا۔ محل کی عورتیں یا تو خود ان باتوں سے بے خبر تھیں
یا برمکی کا اثر جو حدود سلطنت کی طرح ایوان خلافت پر
بھی مستولی تھا، ان عورتوں کو اس راز کے فاش کرنے
اور خلیفہ تک پہونچانے سے روکتا رہا۔

لیکن واقعات کہیں چھپانے سے چھپتے ہیں اور
وہ بھی ایسے واقعات اور پھر اس شخص کے واقعات جو
اپنی دولت و ثروت اور تقرب شاہی کے وجہ سے

ایک عالم کو حسد کی آگ سے جلاتا ہو۔ آخر ایک روز تمام واقعات خلیفہ کے گوش گذار ہوئے۔ خلیفہ کے غصہ کی انتہا نہ تھی فوراً اپنے عزیز ترین غلام مسرور کو لیکر حرم سرائے شاہی میں داخل ہوا اور عباسہ کا خاتمہ کردیا۔ خلیفہ کے عتاب کے آگے نہ عباسہ کا حسن وذکا کام آیا اور نہ اس کی منت سماجت۔ صبح کو برمکی کا نہایت تزک واحتشام سے استقبال کیا گیا اور بعد میں وہ بھی مسرور کے ہاتھوں نہایت بیدردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ برمکی نے مسرور کو بہتیری لالچ دی لیکن اس نے ایک نہ مانی اور مانتا کیسے اپنی جان دیتا۔ غرض برمکی کا سارا وقار چشم زدن میں غائب ہوگیا اور دولت وامارت عزت وثروت کچھ کام نہ آئی۔

یہ صورت واقع ہوئی برمکی کے قتل کی۔ لیکن کچھ لوگوں نے اس مقام پر غلط بیانی سے کام لیا ہے اور انکا خیال ہے کہ اس واقعہ کی اطلاع خلیفہ کو زبیدہ کے ذریعہ سے ہوئی جو برمکی سے اس کے با اثر ہونے کی وجہ سے جلتی تھی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ خود ہارون رشید جو جعفر ابن یحیےٰ کا اس قدر فریفتہ اور دلدادہ تھا بعد میں اس کے اثر کی وجہ سے خوف زدہ رہتا تھا اور جب موقعہ ملا اور موقعہ بھی ایسا جو نہ صرف حیلے کے طور پر استعمال ہوسکتا تھا بلکہ جس نے واقعی خلیفہ کو بے انتہا برانگیختہ ومشتعل کردیا تھا تو اس کا نتیجہ برمکی کی ہلاکت کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا۔ خلیفہ نے اسی طرح اپنی سیاسی ضرورت کو بھی پورا کیا اور عطیے کا نذرانہ بھی وصول کیا عباسہ کا شوہر قتل ہوا۔ مار آستین سے نجات ملی۔ ظاہر ہے کہ جب صورت واقعہ یوں ہو تو اس قتل کا الزام زبیدہ کے سر رکھنا انصاف کا خون ہے۔

اور جو کچھ کہا گیا ہے وہ صرف یہ ظاہر کرنے کیلئے تھا کہ زبیدہ کے اوپر برمکی کے قتل کا الزام غلط اور محض افترا ہے اب ذیل میں یہ چند سطریں خود زبیدہ کے متعلق درج کی جاتی ہیں جس سے اس کی بذلہ سنجی، فیاضی ذہانت جدت پسند طبیعت اور اخلاق پر روشنی پڑے گی اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ مشرق کی عورتوں میں ذہنیت موجود ہے کہ وہ خدمت مخلوق کو اپنا فریضہ سمجھیں موقع نہ ملے یہ دوسری بات ہے۔

ابو نواز نہایت بذلہ سنج اور دلچسپ شخص تھا اور دربار خلافت کا ایک ممتاز رکن ہارون کی مجلسوں میں ابو نواز کو بہت وقار حاصل نہ تھا جو بیربل اور ملا دوپیازہ کو دربار اکبری میں تھا پھر بھی اس کی کافی قدر ہوتی تھی اور ہارون اسے بہت مانتا تھا۔

ایک دن جب ابو نواز دربار شاہی میں داخل ہوا تو خلیفہ کو رنجیدہ اور محزون پایا۔ لاکھ باتیں بنائی اور دل خوش کن فقرے گھڑے لیکن ایک پیش نہ گئی اور خلیفہ کی حالت میں مطلقاً تغیر پیدا نہ ہوا آخر کار اس نے کہا کہ اگر آپ کو اپنی طبیعت بہلانا ہے تو ایران اور فلسطین اور مصر کی عورتوں کی باتوں سے لطف اٹھائیے۔

کہنے کو تو کہہ گیا لیکن یہ نہ سوچا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ ابو نواز رخصت ہوا تو زبیدہ آئی اور پوچھا کہ ابو نواز نے کیا کہا۔ ہارون نے جواب دیا کہ مصر ایران اور فلسطین کی عورتوں سے دل بہلانے کو کہہ گیا ہے۔ یہ سنکر اس وقت تو زبیدہ خاموش ہوگئی لیکن رات کو چند لونڈیوں کے ساتھ ابو نواز کے گھر پہونچی اور بخوبی اس کی اتنی مرمت کی کہ وہ مرتے مرتے بچا اور کئی روز تک دربار سے غیر حاضر رہا۔ غرض ایک روز بادشاہ نے مسرور کو بلانے کے لئے بھیجا تو دربار میں حاضر ہوا خلیفہ نے ابو نواز کو دیکھکر کہا "ابو نواز اس دن تم کیا کہہ رہے تھے؟"

چونکہ داخل ہوتے ہی دربار کے ایک حصے میں پردہ پڑا دیکھکر ابو نواز پہلے ہی تاڑ گیا تھا کہ زبیدہ موجود ہے اس نے خلیفہ کی بات کاٹ کر بول اٹھا "میں مصر اور فلسطین اور ایران کی عورتوں سے لطف اٹھانے کو

منع کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ آپ صرف محفل کے چشم و چراغ یعنی ملکہ زبیدہ سے دل بہلایا کریں۔

یہ سنکر بادشاہ غضب ناک ہو کر بولا "ابو نواز! سچ کہو ورنہ ابھی گردن اڑا دوں گا۔ ابو نواز ابھی اسی کشمکش میں تھا کہ کیا کہے اور کیونکر کہے کہ پس پردہ سے ایک نسائی قہقہہ لگا اور یہ آواز آئی اے ابو نواز تو سچ کہہ رہا ہے تو نے اس دن بھی خلیفہ کو یہی صلاح دی ہو گی، جو آج دے رہا ہے۔ خلیفہ کا دماغ منتشر معلوم ہوتا ہے"۔

یہ بات تو ختم ہو گئی لیکن ابو نواز کو سخت تعجب ہوا جب اس نے دیکھا کہ وہی عورتیں جو پچھلی مرتبہ زدوکوب کے لئے آئی تھیں اس واقعہ کی رات کو تحفہ و تحائف اور زر و مال نذر کرنے لائی ہیں۔

زبیدہ کی فیاضی کا یہ واقعہ ہارون کی زندگی کا ہے زبیدہ کے بعد کے کارنامے بھی ایسے ہی ہیں بلکہ اہمیت میں ان سے کہیں زیادہ ہیں۔

ہارون کی وفات کے بعد زبیدہ نے مکے کا سفر حج کی غرض سے کیا اور اسی سلسلہ میں اس نے تین سال تک وہیں قیام کیا۔ اس زمانہ میں بغداد سے مکہ تک کا راستہ بہت خطرناک تھا اور پانی کی سخت قلت نے اس راستے کو اور بھی مہلک بنا دیا تھا جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس راستہ میں ایک گلاس کی پانی کی قیمت ایک [illegible]ری۔ اس تکلیف اور زحمت کا زبیدہ کو ایسا احساس ہوا کہ دو نہریں کھدوائیں ایک مکے اور دوسرے مدینہ میں ان نہروں میں جو صدیوں سے رفاہ عام کا کام دے رہی ہیں پانی دجلے سے آتا ہے اور یہ عجائبات عرب میں شمار ہوتی ہیں اور نہروں کے علاوہ زبیدہ نے کئی باغ لگائے اور متعدد کنوئیں اور جہاں سرائیں مکے کے راستہ میں تعمیر کرائیں، مشہور ہے کہ ان باغوں اور نہروں کے بنانے میں زبیدہ نے روپیہ پانی کی طرح بہایا۔

محل کی دعوتوں اور خاصے کے کھانوں میں سونے اور چاندی کے ظروف کا استعمال سب سے پہلے زبیدہ ہی نے کیا ورنہ اس سے پہلے ان کا رواج نہ تھا، زبیدہ کی شان و شوکت کا یہ حال تھا کہ بیوہ ہونے کے بعد عورتوں کا ایک گروہ اس کی حفاظت کے لئے متعین رہتا۔

زبیدہ کی ذہانت اور خاص کر اس کی شرافت کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ مامون رشید اس کا سوتیلا لڑکا تھا۔ لیکن وہ اسے اپنے لڑکے کے برابر محبت کرتی تھی اور چونکہ یہ محبت ہارون کی وفات کے بعد بھی قائم رہی اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ زبیدہ کا مامون کی طرف رجحان تصنع تکلف یا مکاری کی بنا پر تھا اور اس کا مقصد ہارون کو خوش کرنا تھا۔ زبیدہ اپنا فرض سمجھتی تھی کہ وہ مامون سے محبت کرے اور حق تو یہ ہے کہ اس نے اپنے فرض کو نہایت خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ چنانچہ سنہ ۲۱۰ ہجری میں جب مامون کی شادی ہوئی تو زبیدہ نے اپنی سوت کا صرف ہاتھ ہی نہیں بٹایا بلکہ شادی کے متعلق تمام انتظام مثل ماں کے کئے زبیدہ کی اسی سچی محبت کا نتیجہ تھا کہ مامون نے زبیدہ کی عزت اپنی ماں کے برابر کی اور کبھی اس کے حکم سے سرتابی کو پسند نہیں کیا۔

زبیدہ کا ایک لڑکا امین تھا جس سے وہ بہت زیادہ محبت رکھتی تھی اس کے مرنے کا زبیدہ کو بہت صدمہ ہوا۔ لیکن باوجود امین کے داغ جدائی کے اس نے صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور بقیہ عمر یاد خدا، احکام مذہب کی پابندی اور خدمت خلق میں صرف کی۔ (آمنہ خانم از منیر)

عزمِ خودکشی

(ایم۔ اے ناصری حسین گنج لکھنؤ)

میں دیکھ چکا ہوں اک فسانۂ وفا ترتیب
سنو سنو نہ سنو اختیار باقی ہے

آہ میں کس قدر بدقسمت ہوں کہ اس مرتبہ پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب میری زندگی میرے اس مقصد میں ناکامیاب رہنے کے بعد جسپر میری آیندہ کی خوشحالی و مسرتوں کا انحصار تھا بیکار ہی نہیں بلکہ میرے والدین کے لیئے ایک بارگراں ثابت ہوگی۔ لہذا مجھ کو کیا کرنا چاہیئے۔ چلو اپنی اس نامراد روح کو اپنے قالب عنصری سے آزاد ہی کیوں نہ کردیں کہ پھر ناکامی ایسی تلخ شے اور دیگر جانکاہ مصائب سے بغلگیر نہ ہونا پڑے۔ لیکن نہیں جبکہ خودکشی مذہبی اوریہ نظر کے ساتھ ساتھ اخلاقی و قانونی جرم بھی ہے تو مجھے بھی ایسے ناروا و ناجائز فعل سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ تو کیا پھر مجھے اپنی خفتہ نصیبی لیکر والدین کا مورد عتاب بننے کے لیئے پھر گھر واپس چلنا چاہیئے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں میری شرم و غیرت اس امر کی بھی متحمل نہیں ہوسکتی کہ میں پھر گھر واپس جاؤں۔ میں جوان ہوں۔ میرے بازوؤں میں قوت ہے۔ خدا کے فضل سے جوہر علم سے بھی کافی روشناس ہوں پھر مجھے کیوں نہ اپنی ضروریات زندگی کا ذریعہ اس کارساز و عالم پر بھروسہ کرکے تلاش کرنا چاہیئے۔ جبکہ اس نے خود کلام مجید میں فرمایا ہے ”خدا اسکی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتا ہے“

(۲)

ناظرین یہ وہ طرح طرح کے خیالات تھے جو میرے دل و دماغ میں اسوقت پیدا ہو رہے تھے۔ جب مجھے گزشتہ تین سالوں کی طرح چوتھے سال بھی اپنے بی۔ اے کے امتحان میں ناکامیابی کی خبر وحشت اثر معلوم ہوئی۔ اس سال مجھے بہ نسبت اور سالوں کے اپنے فیل ہونے کا اس وجہ سے اور بھی صدمہ ہوا۔ کیونکہ میری عمر کا یہی وہ آخری سال تھا جس کے بعد مجھے کوئی سرکاری ملازمت کی آئندہ کرنا کسی صورت میں قادر ہوسکے خواہ اسکے حاصل کرنے کی امید سے کم اہمیت نہ رکھتی تھی۔ القصہ میں اپنے مندرجہ بالا آخری فیصلہ کے بموجب بجائے گھر واپس جانے کے تلاش روزگار کا ارادہ کرکے تن بہ تقدیر چل کھڑا ہوا اور دو تین گھنٹوں کے اندر اندر شہر کی جملہ بڑی بڑی دوکانوں کا خلوف اوران دیگر مقامات پر جہاں ملازمت ملنے کی کچھ بھی امید تھی گیا لیکن ہر جگہ سے یہی نو ویکیسی پلیز (No Vecancy Plea) کا ہمت شکن جواب پاکر ایک پریشان کن حالت میں واپس آنا پڑا۔ قریب تین بجے کے جب میں نوکری کی جانب سے بالکل مایوس ہوچکا تھا اور میرے ہاتھ پاؤں نے بھی اس لگاتار و غیر معمولی محنت سے تھک کر آگے بڑھنے سے جواب دے دیا تھا تو میں بنارسی باغ کی بارہ دری میں جاکر ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور اپنے مستقبل و نیز اس امر کا کہ شب گزاری کا کہاں انتظام کرنا چاہیئے۔ غور کرنے لگا۔ ابھی مجھے وہاں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ سے زائد نہ گزرا تھا کہ ایک ”تفریحی حریم ناز“ یعنی ایک پردے دار موٹر ٹرک پر آکر رکا اور اس میں سے چشمک برق سے زیادہ چستی کے ساتھ ایک حسینہ نکلی جسکو میری نگاہوں نے فوراً پہچان لیا کہ وہ علیہ تھی۔ جو ہنگامۂ زندگی۔ فتنۂ شہرت اور آشوب مجالس سے گھبراکر برائے چندے بھاگ اٹھی تھی بخوار

(۳)

علیہ۔ جادو نظر علیہ۔ پری پیکر علیہ ایک شباب و لطافت کی زندہ تصویر تھی۔ وہ فلمی آسمان پر نیر درخشاں کی مانند اپنی علیحدہ شان رکھتی تھی۔ وہ ایک خاص ادائے دلکش کے ساتھ محو خرام ناز تھی۔ اس لیئے نہیں کہ وہ صرف حسین تھی بلکہ اس لیئے۔۔۔۔۔ کہ اسکی قیامت خیز شوخی اور فتنہ زائی نے لکھنؤ کی کل آب و ہوا کو ایک خاص مسکر شرابیت سے مست و مخمور بنادیا تھا۔ وہ ایسی ویسی شراب نہ تھی جس کا نشہ گھنٹہ دو گھنٹہ میں ہرن ہوجائے بلکہ وہ ایسی شراب تھی جس کے متوالے جیب و گریباں چاک کرکے آوارۂ دشت و جبل ہوجاتے اور خار مغیلاں کو بستر استراحت سمجھتے سنا ہے کہ بوئے مشک

بشیدہ نہیں رہتی۔ شاید نہ رہتی ہو۔ مگر حسن کی سحرکاریاں تو یقیناً لعہ کی بلند چہار دیواری کو عبور کر سکتی ہیں اور حد نظر تک ایک ایسا ال بچھا دیتی ہیں جس میں گرفتار ہونے کے بعد موت یا دیوانگی یقینی ہو میں نے اس زاہد فریب کو دیکھا اور دیکھتے ہی اسیر محبت ہو گیا حالانکہ اس سے پہلے میں محبت کے نام سے بھی آشنا نہ تھا۔ عشق سے قبل میرا دل تاریک تھا۔ ایسا ہی تاریک جیسے موسم برشگال کی لیلائے بنت نے محبت سے طلوع ہو کر اسکو روشن کر دیا ہو۔ محبت سے پہلے میں اس کرۂ ارض پر یکہ و تنہا تھا۔ اجنبی و متوحش تھا۔ کسی سے مجھے انس نہ تھا۔ تھا بھی تو ناپائیدار۔ چند روزہ۔ اللہ بھلا کرے محبت کا کہ جب سے اس نے میرے دل میں گھر کیا میں نے بھی محسوس کیا کہ میرا بھی کوئی غمخوار دوست۔ جاں نثار۔ ہمدرد۔ وفادار۔ مونس و فداکار اور رفیق حیات ہے۔ ایسا ہی رفیق حیات جو خلوت و جلوت۔ راحت و مصیبت۔ خواب و بیداری غرضیکہ ہر وقت و ہر لحظہ ساتھ رہے۔ میرا پہلو لذت و سرور سے گرم ہو گیا لطف انبساط میرے قلب و دماغ پر چھا گیا اس طرح کہ حزن و ملال کا ذرا بھی نشان باقی نہ رہا۔

(۴)

اب جبکہ اسکی نظریں باغ کی تمام موجودات کا مطالعہ کر کے فرصت پا چکیں تھیں اور غالباً اسی جائزہ کے دوران میں اس نے دیکھ لیا تھا کہ میں ایک "غیر جنسی" شے ہوں۔ بایں وجہ اپنی روزانہ کی زندگی کی تمام اوقات کی شریک جنس کو یہاں بیٹھا دیکھ کر اپنی نظروں کی کسل رفع کرنے کی غرض سے میری جانب خراماں خراماں بڑھی۔ اسکو قریب آتے دیکھ کر میرا دل بلبیوں اچھلنے لگا۔ میں اسوقت گھگیا سا گیا۔ مجھے تعجب تھا کہ میں ایک عورت سے مرعوب ہوا جا رہا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ مرعوب کرنے والی شے عورت نہ تھی بلکہ قدرت کا وہ گراں قیمت عطیہ تھا جو اسکو بدرجہ اتم عنایت ہوا تھا جسکو اصطلاح اہل معنی میں "حسن" کہتے ہیں۔ جب وہ میرے قریب آ کر ایک دوسری کرسی پر بیٹھ چکی۔ تب میں بھی سنبھلا اور اپنے حواسوں کو بھی سنبھالا۔ اس نے مجھ سے چند مختلف سوالات کئے۔ جو کچھ تو میری ذات خاص سے تعلق رکھتے تھے اور باقی بارہ دری اور اس کے قریب میں جو عجائب خانہ ہے اس کے متعلق تھے۔ میں نے بھی ہر دو اقسام کے سوالوں کا جواب اپنی پوری قابلیت صرف کر کے دیا جب اسکو میری موجودہ پریشانی و نیز میرے علمی معیار کا علم ہوا تو اس نظریہ کے ماتحت کہ عورت بہ نسبت مرد کے زیادہ رقیق القلب اور رحم دل ہوتی ہے اسکو مجھ سے ہمدردی پیدا ہو گئی اور مجھ کو اس وعدہ پر کہ فلم کمپنی میں کوشش کر کے مجھ سے کوئی نوکری دلوا دیگی اپنے ہمراہ اپنے جائے سکونت پر لے گئی اور چند یوم کے بعد مجھے بھی اسی کمپنی میں جس میں کہ خود ملازم تھی ایک ممتاز ترین عہدہ پر ملازم رکھوا دیا۔ مجھے اس شعر کا ؎

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

صحیح مطلب معلوم ہوا۔ وہ ظاہر میں ایک ایکٹرس تھی اور پبلک کے خیالات اسکی طرف سے اسی قدر لغو اور گندے تھے جتنے کہ عام بازاری عورتوں کی جانب سے ہوتے ہیں۔ لیکن باطن میں وہ ایک ایسے شریف دل کی مالک تھی جو ان جملہ بدنما داغوں اور آلائشوں سے پاک و صاف تھا جن کے لئے تمام ایکٹرسیں بدنام ہیں۔ اس سے ملنے سے قبل میرے بھی خیالات کچھ اسکی طرف سے اچھے نہ تھے۔ لیکن اس سے ملنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ ہر ایکٹریس کے لئے کوئی فرضی رائے قائم کر لینا عقل مندی نہیں ہے۔

ملازم ہونے کے بعد میں نے اس سے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ اب میں اپنے رہنے کا کہیں دوسری جگہ انتظام کر دوں لیکن وہ اس بات پر راضی نہ ہوئی اور میں مجبوراً اسی کے یہاں رہنے لگا۔

(۵)

اس عرصہ میں وہ محبت و پریم کی آگ جو ہمارے دل کو جلا کر خاک کر رہی ہے اور بڑھتی گئی۔ اور آخر کار ایک دن میں نے اس کا دست نازک پکڑ لیا۔ وہ اس غیر معمولی حرکت سے چونک پڑی اور میں بھی اپنے جذبات سے ڈر گیا۔ لیکن میں نے اس کے دست سیمیں کو اپنے سینے سے لگا کر بہت مختصر لفظوں میں اپنی وہ جذباتی امانت اسکے سپرد کر دی۔ "وعلیہ میں تم کو دل سے چاہتا ہوں اور تم کو اپنی رفیقۂ حیات بنانے کے لئے بیتاب ہوں" وہ یہ الفاظ سنکر دم بخود ہو گئی اور خائفانہ نظر سے مجھ کو دیکھنے لگی۔ میں نے پھر اپنی تقریر کو یوں جاری کیا "وعلیہ تم میری روح کی ملکہ ہو۔ میری تمام مسرتوں کا انحصار صرف تمہارے اثبات پر منحصر و موقوف ہے" وہ یہ سنکر دو پھر مجھے

خشمگین نگاہوں سے دیکھنے لگی اور کہا "بچپنے کی عقل سے کام لو۔ نادانی چھوڑ دو۔ اگر تم مجھ کو صرف میرے لیئے چاہتے ہو تو اللہ کا شکر ادا کرو کہ یہ لونڈی تمہیر وقف ہے اور اگر تم مجھ سے جسمانی لطف اٹھا کر مسرور ہونا چاہتے ہو تو تمہاری پست ہمتی اور کوتاہ بینی لائق ماتم ہے۔ تم شریف ہو۔ لہذا تمہاری محبت بھی شریف ہونی چاہیئے سنو سنو اور یاد رکھو کہ میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں۔ لیکن میری محبت بوالہوسی و خود غرضی پر مبنی نہیں ہے۔ اس لیئے تم بھی مجھ سے محبت کرو۔ تو خود غرضی سے پاک وصاف" میں اس گفتگو سے شرم کے مارے پانی پانی ہوگیا اور اپنی نظروں میں خود ذلیل معلوم ہونے لگا۔ کاش میں اس گفتگو سے پہلے ہی مرجاتا۔

میں نے اس گفتگو کی عظمت و رفعت کو محسوس کیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرا دل زنگ آلود آئینہ تھا اب صیقل محبت نے اسکو جلا دیکر چمکا دیا۔ میرا دل بغض و حسد کے جذبات سے خالی نہ تھا۔ مگر اب دل کی گہرائیوں میں قلب کی وسعتوں میں جسم کی کشادگیوں میں خون کی روانیوں میں پریم و محبت ہے۔ اضطراب و اضطرار ہے۔ تمنا اور آرزو کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں مصیبت سے تنگ دل ہو جایا کرتا ہوں ناکامی سے خشم آلود ہو جاتا تھا مگر اب وسیع القلب ہوں حلیم و بردبار ہوں۔ میں تو محبت کا پرستار ہوں اور پریم کا پجاری!

محبت کی شعاع سے میرا دل روشن ہوگیا اور قلب منور ہوگیا آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹ گئے۔ ہر شخص کی مشکل اپنی مشکل اور ہر شخص کا درد اپنا درد سمجھتا ہوں۔ الغرض میں وحشی تھا جاہل تھا۔ محبت نے مجھے مہذب اور مکمل بنا دیا۔ میں ذلیل و بے عزت تھا۔ محبت نے مجھے شریف اور عزت دار بنا دیا۔ القصہ کچھ نہ پوچھو کہ محبت نے مجھے کیا کیا بنا دیا۔ محبت نے مجھے وہ کچھ بنا دیا جو میں کبھی نہ بنا تھا ؞

(۶)

ایک پرسکون رات کو ٹہلتے ٹہلتے میں اس کے ساتھ دریا پر پہونچ گیا۔ پانی شفاف تھا اور آسمان صاف۔ تارے آسمان پر اور چاند پانی میں چمک رہا تھا۔ یہ تمیز مشکل ہوتی تھی کہ تارے آسمان پر ہیں یا پانی میں عجیب دلفریب منظر تھا۔ آسمان پانی کے اوپر بھی تھا اور نیچے بھی۔ ہم لوگ اس سینری کو دیکھ کر مبہوت رہ گئے۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ اور ہم دونوں خاموشی کے ساتھ دریا کے کنارے آہستہ آہستہ مصروف خرام تھے۔ میرے دل میں محبت کی پاکیزگیاں حسن کی طبیعت ریزیاں اور عشق کی حیرت فرازیاں لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھیں۔ میں علیہ کی جانب متوجہ ہوا اور دریافت کیا "کیا تم بھی اس قدر مسرور و شاداں ہو جس قدر میں؟" اس نے جواب میں ایک سرد آہ بھری اور کہا "نہیں پیارے نہیں" "تم گردش روزگار سے ناواقف ہو۔ شاید تمہاری آنکھیں وہ کچھ نہیں دیکھتیں جو میں دیکھ رہی ہوں۔ تم توقعات میں غلطاں و پیچاں ہو اس لیئے شاد و مسرور میں انجام کار کو دیکھ رہی ہوں۔ اس لیئے مغموم و نامراد جس طرح تم سورج کو آسمان کی آغوش میں گردش کرنے سے نہیں باز رکھ سکتے۔ پہاڑ کو نہیں چلا سکتے ہوا کو نہیں روک سکتے اسی طرح تم اس کی بھی ضمانت نہیں دے سکتے کہ یہ سرور دائمی ہے"

یہاں پہونچکر وہ رک گئی۔ سر نیچے جھکا لیا۔ اور موتی کی طرح اس کے گرم گرم آنسو رخساروں پر ڈھلکنے لگے۔ اسکو روتا دیکھ کر میں بھی بے چین ہوگیا۔ میں نے دریافت کیا "کیوں روتی ہو؟" اس نے جواب دیا "خوف و فراق سے" میں نے پوچھا فراق حیات سے یا کسی اور فراق سے؟"

اس نے کہا "دنیا میں اور کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو زندگی کے اندر تم سے جدا کر سکے۔ میں ڈرتی ہوں تو موت کے فراق سے۔ یہی وہ فراق ہے جس سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے یہی وہ جدائی ہے جس سے حفاظت کی کوئی سبیل نہیں" میں نے کہا "پھر ہم اور تم اس امر پر معاہدہ کیوں نہ کرلیں کہ مریں بھی تو ساتھ ہی اور رہیں بھی تو ساتھ ہی"

میرے اس جواب سے اس کا رنج کافور ہوگیا۔ وہ خوش ہوکر ہنس پڑی اور میرے اور اس کے مابین معاہدہ ہوگیا۔ اور ہم لوگ گھر واپس لوٹ آئے۔ صبح ہوگئی اور آفتاب عالمتاب کی تمازت نے ہم لوگوں کو بیدار کر دیا ؞

(۷)

زمانہ انسان کی تاک سے کبھی غافل نہیں رہتا؟ انسان کے لیئے سب سے بڑی مصیبت عیش کے بعد غم۔ شادکامی کے بعد تلخ کامی اور لطف و سرور کے بعد رنج و الم ہیں۔ کاش مجھے راحت نہ ملی ہوتی

تاکہ جس لذت سے میں واقف نہ ہوتا تو اس کے کھوجانے کا کیا غم ہوتا۔ آہ۔ وہ مرگئی جو مرکز امید تھی۔ جو سعادتوں کا اور برکتوں کا سرچشمہ تھی۔ میرے نزدیک وہ کیا مرگئی گویا میں مرگیا۔ ع

دل کیا اداس ہے کہ زمانہ اداس ہے

میرے لیے اب نہ وہ زمین زمین ہے نہ آسمان وہ آسمان ہے۔ ستارے ڈوب رہے ہیں۔ پھول کملا رہے ہیں طبائع مضمحل اور افسردہ ہیں۔ ایک ہو کا عالم ہر سمت طاری ہے۔ اس کے بعد زندگی بیکار ہے۔ خدا کی قسم میں اپنا وہ عہد پورا کروں گا اور ابھی ایک لمحہ میں آکر تیری وحشت واجنبیت کو دور کردوں گا۔ تاکہ ہمارا استقبل بھی ویسا ہی خوشگوار ہو جیسا کہ ماضی تھا۔ آہ۔ آج سے آٹھ سال قبل جب میں چاشنیٔ محبت سے آشنا نہ ہوا تھا۔ میں خودکشی کو ایک اخلاقی جرم و بزدلی خیال کرتا تھا۔ یا آج وہ دن ہے کہ میں خودکشی ہی کو دولت کونین حاصل کرنے کا واحد ذریعہ سمجھتا ہوں۔ اور کسی دم میں اسکو لبیک کہہ کر اپنی پیاری علیہ سے جا ملوں گا۔

یہ ہے محبت کا انوکھا مذہب اور پریم کا عجوبہ مسلک کہ جس کے احکام دنیا کے تمام مذاہب سے قطعی جدا ہیں۔ اس مذہب کے پیرو کے لیے ہر وہ فعل جو سطحی اور بادی النظر میں ایک جرم معلوم ہوتا ہے عین کار ثواب ہے اور نجات طرفین حاصل کرنے کا واحد وسیلہ ہے اچھا اب میری بے چین روح میری دل و جان سے زیادہ عزیز علیہ سے ملنے کے لیئے بے قرار ہو رہی ہے لہذا میں بھی اسکو عالم بالا کی طرف پرواز کرنے کے لیئے آزاد کرتا ہوں اور اپنے اس عہد کی تکمیل کرتا ہوں جو میں نے کبھی کسی سے کیا تھا۔

ع

میں وہ چراغ کشتۂ شام ملال ہوں (آسی لکھنوی)
جلنے نہ پائے تھے کہ ہوا نے بجھا دیا!

ارشاد کامل

(مولانا کامل ازھو چھانی)

ناہم جسے کہتے ہیں عدم بنیاد مکان ہستی ہے
الفت میں قدم جب کوئی رکھے مٹنے کے لیے تیار رہے
سمجھا ہے سمجھنے والوں نے یہ راز نہان ہستی ہے
اس راہ میں ہم تو دیکھ چکے ہستی نہ نشان ہستی ہے

جو آپ نہ خود کو پہچانے وہ سر حقیقت کیا جانے
کچھ رائے کو تیری دخل نہیں مختار کہاں محکوم ہو تو
جو اپنی تجسس میں گم ہو وہ مرتبہ دان ہستی ہے
یاں دیکھ کے پاؤں پھیلانا محدود مکان ہستی ہے

جب پست نہیں تو بلند کہاں جب نیست نہیں تو ہست کہاں
وا چشم ہے جبتک سب کچھ ہے یہ بند ہوئی تو کچھ بھی نہیں
ہر ایک بلندی پستی ہے ہر نیستی جان ہستی ہے
کیا اس کے سوا تفصیل کروں مجمل سا بیان ہستی ہے

جلنے سے مرتے ہیں کامل ان کی حقیقت کل اتنی
کچھ راز نہاں سے بے بہرہ کچھ وہم و گمان ہستی ہے

دہلی میں شیطان

"بروزن قادیان"

چند روز ہوئے کسی ہندو منجم نے لکھا تھا۔ کہ برج جدی میں سات ستاروں کے اجتماع سے جو اثرات مرتب ہونے والے تھے۔ اب تک جوتشیوں نے ان کا تاریک پہلو ہی ظاہر کیا ہے۔ کہ زلزلے آئیں گے۔ اور آفات نازل ہونگی لیکن ان کے روشن پہلو کا کسی نے ذکر ہی نہیں کیا۔ وہ روشن پہلو یہ ہے کہ عنقریب ایک مردِ آخر الزماں کا ظہور ہونے والا ہے جو تمام انسانوں کو بھائی چارے کی دعوت دے گا۔ اور اس کے ظہور سے دنیا میں امن و امان پھیل جائے گا۔ چونکہ ہندو شری ہنہ کلنک اوتار کے، مسلمان امام مہدی کے عیسائی ابن آدم کے اور یہودی حضرت مسیح کے منتظر ہیں۔ اس لیئے ہمارا ماتھا ٹھنکا کہ ہونہ ہو وہ "حجت منتظر" عنقریب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر علامہ اقبال کی اس التجا کا جواب دینے والی ہے۔ کہ ؎

شورش اقوام را خاموش کن   نغمۂ خود را بہشت گوش کن

خدا کا شکر ہے کہ ہمیں زیادہ دنوں تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اور دہلی سے ایک امام مہدی صاحب برآمد ہو گئے۔ آپ نے قرول باغ میں ایک "دارالفلاح" قائم کر کے اپنا پہلا پوسٹر مسلمانوں کے نام شائع کر دیا ہے اس پر ہمارے زندہ دل بزرگ مولانا عبد الغفار ناظم دار الاصلاح قرول باغ بے حد سٹپٹا گئے ہیں اور آپ نے گھبرا کر اعلان کر دیا ہے کہ لوگ دار الفلاح کو "دار الاصلاح" نہ سمجھ لیں۔ اور میں ہرگز امام مہدی نہیں ہوں۔ بلکہ وہ ایک اور صاحب ہیں۔

نئے مہدی صاحب کا اسم گرامی "ظہیر الحسن سفیر اللہ حامل کتاب دار الفلاح مثیل عیسیٰ روح اللہ" واقع ہوا ہے۔ اور آپ نے اپنے پہلے پیغام کو جس کا عنوان "آواز حق" ہے ان الفاظ میں شروع کیا ہے :-

دار الفلاح کلام اللہ ظہیر الحسن سفیر اللہ

یعنی ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ امام مہدی صاحب قبلہ کی کتاب کا نام "دار الفلاح" ہے اگر کتابوں کے نام گھروں کے ناموں پر رکھے جا سکتے ہیں تو ممکن ہے کل کو بعض مصنفین اپنی تصنیفات کو "شریف منزل" "جامعہ ملیہ" "رین بسیرا" "طبیہ کالج" "قطب مینا" "تغلق آباد" کے ناموں سے موسوم کرنا شروع کر دیں۔

آپ نے آدم صفی اللہ۔ نوح نجی اللہ۔ ابراہیم خلیل اللہ۔ اسمٰعیل ذبیح اللہ اور محمد رسول اللہ کے "وزن پر اپنا نام و لقب" ظہیر الحسن سفیر اللہ "مقرر فرمایا ہے۔ گویا آپ اللہ کی طرف سے دنیا میں سفیر فوق العادہ بن کر تشریف لائے ہیں ہز ایکسلنسی سفیر اللہ نے اپنی پہلی "کمیونکے" میں مسلمانوں کو بشارت دی ہے کہ "دور قمر ختم ہوا۔ صبح ظہور کا وقت ہے۔ آفتاب ہدایت کی آمد آمد ہے" یعنی تم مدت دراز سے جس کے منتظر تھے وہ آن پہنچا۔ اور وہ "یاسین" اور "امام المبین" خاکسار ہے۔

اس کے بعد نہایت پیمبرانہ انداز میں مسلمانوں کو بتایا ہے کہ تم گمراہ ہو گئے۔ اگر دوزخ سے بچنا چاہتے ہو تو میری طرف آؤ۔ آپ نے بھی آج کل کے نجومیوں جوتشیوں اور مہدیوں کی طرح آتے ہی ایک "عذاب سخت" کی خبر دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اس عذاب سے صرف وہ اہل ایمان محفوظ رہیں گے جو مجھے مان لیں گے۔ کاش ہز ایکسلنسی سفیر اللہ کا ظہور زلزلہ بہار سے پہلے ہو جاتا۔ ممکن ہے بعض اہل بہار آپ پر ایمان لا کر زلزلہ کی مصیبت سے بچ جاتے۔ اس اعتبار سے کم از کم باشندگانِ بہار کے لیئے تو آپ کا وجود "مشتے بعد از جنگ" سے زیادہ نہیں ہے۔

اللہ میاں کے اس "قونسل جنرل" کی علمی قابلیت کا یہ حال ہے کہ اسے بعض لفظوں کی املا تک بھی نہیں آتی۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں "تم کو ہلاکت عظمہ سے بچنے کا رستہ بتانے کے لیئے" اس جاہل امام کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ عظمہ بے معنی ہے۔ اسکی جگہ "عظمیٰ" لکھنا چاہیئے تھا۔ ایک جگہ "نار جہیم" بھی لکھا ہے۔ یہاں حائے حطی کی جگہ ہائے ہوز لکھ گئے۔

ہز ایکسلنسی کو چاہیئے تھا کہ مسلمانوں کی ہدایت کے لیئے مبعوث ہونے سے پہلے تھوڑا سا علم ضرور حاصل کر لیتے۔

ایک جگہ آپ لکھتے ہیں :-

"آگاہ ہو۔ کہ امامت مجھ پر ختم ہو چکی ہے۔ جس طرح نبوت

میرے جدِ امجد جناب محمد علیہ السلام پر ختم ہوئی تھی"
یہاں حضور سرور کائنات صلعم کو اپنا "جدِ امجد" بتایا ہے۔ لیکن چند ہی سطروں کے بعد آپ "رشتہ داری" بھول گئے اور آخری سطر میں یہ لکھ دیا کہ :-

"برادرِ معظم جناب محمد علیہ السلام کی رحلت سے میرے وقت ظہور تک"

معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی "بالائی منزل" کرایہ کے لئے خالی ہے" اور اس میں شئے لطیف بالکل مفقود واقع ہوئی ہے ورنہ وہ ایک ہی شخص کو "دادا" کبھی اور "بڑا بھائی" کبھی نہ بتاتا۔

بہرحال مدیر "افکار" کی خوش قسمتی ہے۔ کہ اللہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی شغل مہیا کر ہی دیتا ہے۔ زندہ دلان دہلی سے جو اللہ میاں کے اس "قونسل جنرل" سے واقف ہیں۔ یہ استدعا ہے۔ کہ اس کے مزید حالات مہیا کریں۔ تاکہ چند روز تک قارئین "افکار" کی ضیافت طبع کا سامان ہوتا رہے۔ (انقلاب)

قیامت سے پہلے قیامت

کیا وہ دن قیامت سے کچھ کم ہولناک ہوگا جبکہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی و مذہبی زندگی ان کی بد اعمالی سے تباہ و برباد ہو جائے گی۔ کیا وہ اس قدر ذلیل و خوار ہونگے جس قدر کہ ہندوستان کی اچھوت قومیں سمجھی جاتی ہیں۔ اس ہولناک دن کے آنے سے پہلے مسلمانوں کو غور کر لینا چاہیئے کہ اگر آپ اس مسئلہ کی اہمیت سمجھتے ہیں اور آنے والی قیامت سے آئندہ نسلوں کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو فوراً کتاب خون کے آنسو طلب فرمائیں قیمت صرف چار آنے (۴؍) ایک جلد کے خریدار کو چار آنے کے ٹکٹ ارسال کرنے چاہئیں۔ منیجر محشرِ خیال، جامع مسجد دہلی

(۱۰۰) سو برس کے بڈھوں کی ضرورت ہے

عالیجناب لقمان الملک حکیم نابینا صاحب طبیب خاص سابق حضور نظام نے ملا واحدی صاحب اڈیٹر نظام المشائخ کو جو ایک طلسمی قوت کا نسخہ عطا فرمایا ہے اس کے نیچے یہ عبارت درج ہے "ایک ہفتہ کے استعمال میں پیر صد سالہ مثل جوان پانزدہ سالہ کے ہوتے تا دمِ مرگ طاقت جسمانی ہمہ عضو قائم و برقرار ہے۔ ہر روز ... بیزاری نہ ہوگی۔ اور ایک وقت ... کے طبیعت کو قرار نہ ہوگا۔ یہ نسخہ بسلسلہ خاں حکیم سید عبید اللہ خاں طبیب شاہی میرے عم بزرگوار مولانا مولوی سید فخر الدین مرحوم سے مجھ کمترین کو عطا ہوا جو بطور یادگار پسماندگان درج ہذا کیا۔ یہ نسخہ حقیقی و درست و صحیح ہے میری اوائل عمر میں ایک وقت تیار ہوا تھا راجگان ہندوستان سے میرے عم مرحوم کو ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ انعام نسخہ ہذا کی بدولت ملا تھا اور نواب سالار جنگ اول نے چہار خوراک معجون ہذا استعمال فرما کر جاگیر و منصب ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ عطا فرمائے تھے یہ تذکرہ بماہ جمادی الاول ۱۲۹۲ھ ہے پسماندگان کو اس کا پورا علم ہے"

اس نسخہ سے جو معجون تیار کی جاتی ہے اس کا نام **معجون مددگار غدود** ہے جو نوں اور اوہیڑوں کو معجون مددگار غدود کی سات خوراکیں چار روپے میں دی جاتی ہیں لیکن اگر کوئی سو برس کی عمر والے صاحب طلب فرمائیں گے تو ان سے سات خوراکوں کے صرف تین روپے لونگا بشرط فقط یہ ہے کہ سو برس سے ہونے کا وہ کسی طرح اطمینان دلادیں سو برس نہ سہی لگ بھگ ہی معجون مددگار غدود بالکل معتدل دوا ہے گرمی جاڑہ برسات ہر موسم میں کھائی جاتی ہے۔ ملنے کا پتہ:- منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی کوچہ چیلان نمبر ۸

دو آنسو

(از جناب واحدی صاحب)

جس طرح انسان کے اندرونی جذبات چہرے کے تغیر سے پہچانے جاتے ہیں۔ اسیطرح بعض کیفیات آنسوؤں سے بھی پیدا ہوتی ہیں لیکن آنسوؤں سے کسی حالت کا اندازہ کرنا چہرے کے مقابلہ میں مشکل ہے کیونکہ رنج وخوشی تکلیف وراحت میں بشرے پر ایک غمگین وشادابی۔ اداسی اور شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ معمولی سے معمولی سمجھ کا آدمی بھی معلوم کر لیتا ہے کہ یہ شخص کس حال میں ہے۔ بخلاف آنسوؤں کے کہ وہ غم اور خوشی خوف واطمینان سب میں یکساں صورت سے پیدا ہوتے ہیں۔

تم نے ایک آنسوؤں سے لبریز آنکھ کو دیکھا۔ بیچاری اس کھاری دریا کے بوجھ سے تھرتھرا رہی ہے پلکوں کی جڑیں بھیگ جائیں گی تو آنسوؤں کا دریا رخسار پر بہنے کے لئے رستہ نکال لیگا۔ لیکن یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ یہ چشم پر آب ہے کیوں کسی کے مرنے کے غم سے فراق کے قلق سے۔ جابر کے جبر سے خوف وہراس سے بے بسی وبے چارگی سے یا قطع امید سے غرض کوئی ٹھیک بات معلوم نہیں ہو سکتی۔ اصل یہ ہے۔ کہ آنسو بھی بشرہ اور چہرے کا محتاج ہے۔ اگر آنسوؤں سے قلبی حالت کا پتہ چلانا مقصود ہو۔ تو فوراً سارے چہرے پر نظر جما دو۔ وہاں لکھا ہوگا۔ کہ یہ آنکھ کیوں روتی ہے۔ موت کی غمگینی روتی ہوئی آنکھ کے نیچے رخساروں اور ہونٹوں پر صرف ایک افسردگی سے پہچانی جاتی ہے۔ خوف کیوقت بشرہ اسقدر زرد اور بیقرار ہوتا ہے کہ آنسو پورے طور سے بہنے نہیں پاتا جو پوچھ لیا جاتا ہے۔ جدائی جو العنت کامل کے بعد نصیب ہو۔ مہجور کے رخسار کو اداس اور زرد کر دیتی ہے ہونٹ خشک نظر آتے ہیں۔ چہرے پہ مستانہ بے خودی کا سماں ہوتا ہے۔ آنسو بہا کرتے ہیں۔ اور آنکھ کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ یار کے تصور میں محو ہوتی ہے۔ عاشق کی آنکھ ہمیشہ تر و تازہ رہتی ہے۔ اور سب حالتوں میں تو چہرے اور بدن کے ساتھ آنکھ پر بھی اس تکلیف کا اثر پڑتا ہے۔ اور وہ کمزور ہو جاتی ہے۔ مگر محبت کی آنکھ ہمیشہ نوکھی رہتی ہے۔ وہی خمار وہی چمک وہی دمک کسی بات میں فرق نہیں آتا۔ محبت کی آنکھ میں ایک وصف اور ہے۔ کہ دیکھنے والے کو بجائے تکلیف دینے کے ایک قسم کا لطف عطا کرتی ہے۔ شراب عشق سے مخمور آنکھیں جب آنسوؤں کے پانی سے غسل کر چکتی ہیں۔ اس کے بعد ذرا ان کی شان دیکھئے۔ اسرار ربانی جھلکتے نظر آئیں گے بھیگی ہوئی پلکوں کی نوکیں طلسماتی انداز سے جنبش کر رہی ہوں گی اور ہر جھپک جو آناً فاناً میں ختم ہو جاتی ہے۔ عشق کی بی چنگاریاں اڑا رہی ہوگی۔ روتی ہوئی صورت تو بدشگو میں داخل ہے۔ پر روتی ہوئی آنکھ بڑی قدر سے دیکھی جاتی ہے۔ کوئی شخص کیسا ہی سنگدل ہو کسی پر رحم کرنا اس کی عادت کے کتنا ہی خلاف ہو لیکن دو آنسو اس کے پتھر دل کو موم کر دیتے ہیں۔ جب وہ آنسو بھری آنکھوں کو رحم کے لئے التجا کرتے دیکھتا ہے۔ پانی پانی ہو جاتا ہے۔

یہ اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ ان لوگوں کی بات کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ جو دو آنسو آنکھوں میں لا سکتے ہیں۔

چنانچہ جو واعظ اپنے بیان کو آبدیدگی سے تر کرنے کے خوگر ہیں
ان کے کلام کی دہوم ہے۔ ان کی آنکھیں پُر آب ہوئیں
اور سامعین ماہی بے آب بنے۔
مصنوعی آنسو میں بھی اثر ہوتا ہے۔ تماشہ گاہ
میں تماشہ کرنے والا مصنوعی نالہ و بکا کرتا ہے۔ اور
سب جانتے ہیں کہ یہ بناوٹی دکھاوے کی باتیں ہیں
ایک فرد بشر بھی یقین نہیں کرتا۔ کہ یہ اصلی رونا ہے۔
مگر اکثر کا یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ ہر شخص کو سکتا ہو جاتا ہے
بلکہ بعض نرم طبیعت کے آدمی تو خود رونے لگتے ہیں۔
جب نقل میں یہ تاثیر ہے تو اصل میں جنہیں کیا عالم
ہوتا ہوگا۔

یورپ والے رونے کو مردانگی کی شان سمجھتے ہیں
اس لئے ان کے ہاں آنسو آنکھ سے نکلنا خلاف فیشن
تصور کیا جاتا ہے۔ مگر اہل ایشیا درد مندی کے آنسوؤں
کو جواں مردی میں گنتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ انسان
انسان نہیں۔ جس کا دل درد آشنا اور آنکھ "آنسو"
بار نہیں۔ ایشیا کے ہر مذہب میں خواہ وہ عیسائی
ہوں یا مسلمان۔ ہندو ہوں یا پارسی "چشم تر" کی تعریف
کی گئی ہے۔ آنسو دردمندی کا قدرتی نشان ہے۔
جس کی آنکھ اس سے خالی ہو وہ کیونکر ہمدردی کر سکتا ہے
یورپ کی خود غرضی و مطلب آشنائی کے صدہا واقعات
میں یہ واقعہ سب سے زیادہ اہم ہے کہ وہاں کے باشندے
رونے کی لذت سے محروم ہیں۔ اور اسواسطے ان میں
خود غرضی کا مادہ بڑھا ہوا ہے۔ اس دعوے کی دلیل ایک
نہیں ہزاروں ایشیا کی تاریخ میں موجود ہیں۔ کہ
رونے والے اور آنسو بہانے والے کیسے بہادر اور دلیر
ہوتے تھے۔ دشمن کے مقابلہ میں ان کی ثابت قدمی
اور مردانہ شجاعت یورپ والوں سے لاکھ درجہ بڑھ
کر تھی۔ پس اس خیال کی کچھ وقعت نہ کرنی چاہئے
کہ آنسو مردانگی کی شان کو بٹہ لگاتے ہیں۔ بلکہ یوں
سمجھنا چاہئے۔ کہ خشک چشمی مردانگی کو بدنما بنا دیتی ہے

آنسو دنیا کے ہر کام میں مدد دیتا ہے۔ بڑی بڑی اہم
مشکلیں وہ آنسوؤں سے حل ہو جاتی ہیں۔
ظالموں کے قہر و غضب کی آگ آنسو کی دو بوندیں ہیں
جس کی آنکھ سے آنسو نکلتے رہتے ہیں اس کا دل نفسانی
کدورتوں سے پاک صاف رہتا ہے۔ آنسو نکلتے وقت
جو لذت اور پر اسرار محویت انسان حاصل ہوتی ہے
وہ ایسی قیمتی ہوتی ہے کہ جس پر یورپ کے تمام مال و منال
قربان ہیں۔ جس کے سامنے موجودہ تمدن کے عیش
و عشرت ہیچ ہیں۔ اسیواسطے مسلمانوں کے ایک فرقہ
شیعہ نے آنسو کی مدح و تعریف میں دفتر کے دفتر
لکھدیے ہیں۔ اور اسی لئے صوفیوں میں بڑے بڑے
نامور بزرگ جب دعا مانگتے ہیں۔ تو آب دیدہ کی ضرور
درخواست کرتے ہیں۔ تہجد کا سہانا وقت جب کہ ہر
چیز پر ایک خوشگوار خاموشی کا عالم ہوتا ہے۔ اور
ظلمانی تشان کے دریا لہریں مارتے ہیں۔ آنسوؤں کی
بہار کا موسم ہوتا ہے۔ جس طرح موسم بہار میں ہوا کی
تاثیر ہر چیز میں شگفتگی پیدا کر دیتی ہے اسی طرح تہجد کا
وقت بیدار ہونے والی آنکھوں میں آنسوؤں کی بہار
کا موسم نمایاں کرتا ہے۔ یہ موسم ہر شخص کو نصیب نہیں
ہو سکتا۔ وہی اسکا لطف اٹھاتے ہیں جو رات کے
پچھلے حصہ میں سونا ترک کر دیتے ہیں۔ جو اس مبارک
وقت کو رکوع و سجود میں بسر کرنے کے خوگر ہیں۔ جن
کے چہرے دن کے وقت عینی نورانیت کے سبب الگ
پہچانے جاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی درخواست
دربار الہی میں مقبول ہے جو تجلیات کا ہر شب دیدار
کرتے ہیں۔ انہیں کے آنسوؤں سے تمام دنیا میں آرام
و راحت کا وجود قایم ہے ورنہ الحاد و دہریت نے تو انسان
کو اضطراب و بے اطمینانی کے سمندر میں غرق کرنے کا
سامان کر لیا ہے اے وقت سحر کے آنسو بہانے والے
بزرگو! وہ آنسو ان غافل انسانوں پر بہاؤ جو بے خبری
کی نیند میں پڑے سوتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۴۹ پر دیکھئے)

جادو کا تختہ

(مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی کے قلم سے)

ایک دن اکبر بادشاہ جو شاہ عالم کے بیٹے اور دوسرے اکبر کہلاتے تھے صبح کیوقت دہلی کے لال قلعہ میں دریائے جمنا کی سیر دیکھ رہے تھے دریا خوب چڑھا ہوا تھا۔ پانی قلعہ کی دیوار سے ٹکریں کھا رہا تھا۔ لیکن قلعہ چونکہ کنارے پر تھا۔ اس لئے پانی کا بہاؤ زور پر نہ تھا۔ جھاڑ جھنکاڑ بہتے ہوئے آتے اور قلعہ کے سامنے درختوں میں الجھ کر رہجاتے تھے۔ یکایک بادشاہ کی نگاہ ایک تختہ پر پڑی جو آہستہ آہستہ بہتا ہوا آرہا تھا۔ فوراً حکم دیا گیا کہ یہ تختہ ہمارے سامنے لایا جائے لوگ دوڑے اور ہاتھوں ہاتھ حکم سلطانی بجا لایا گیا۔

یہ تختہ پورے تین گز لمبا اور دو گز چوڑا ایک لکڑی سے ترشا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ گھوڑے کے آہنی نعل جگہ جگہ اسمیں نصب تھے جن پر ہندی حروف میں کچھ کندہ تھا یہ عجیب تختہ اور حروف دیکھ کر بادشاہ کو بہت تعجب ہوا اور پنڈتوں کو بلایا کہ اس عبارت کو پڑھ کر بتائیں مگر کسی پنڈت کی سمجھ میں یہ عبارت نہ آئی۔ ہر چند ملک میں جگہ جگہ فرمان بھیجے گئے اور سنسکرت کے عالم تلاش کر کے بلوائے گئے لیکن یہ عقدہ حل نہ ہوا۔ بادشاہ کو اس طلسماتی تختہ کے بھید معلوم کرنے کا شوق بے حد بڑھ رہا تھا۔ کسی نے ایران کے ایک آتش پرست عالم کا پتہ بتایا جو آج کل یہاں رہتے تھے۔ اور ایران کی قدیمی زبان کو خوب سمجھتے تھے۔ حضور میں ذکر کیا۔ کہ وہ اس کتبہ کو ضرور پڑھ دینگے بادشاہ نے فوراً قاصد دوڑائے اور مجوسی معبد کو طلب فرمایا۔ معبد ہاتھوں ہاتھ دہلی لائے گئے اور ایک دن تختہ پڑھنے کا مقرر ہوا۔

دربار کے عمائدین اور تمام علماء و فضلا کی موجودگی میں بادشاہ نے معبد کو روبرو بلایا۔ اور تختہ سامنے رکھوایا نعل اس طور سے چسپاں تھے جیسے آج کل کسی ملک کا نقشہ بنایا جاتا ہے۔ معبد اس تختہ کو دیکھ کر رونے لگا یہاں تک کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ حاضرین دربار اور خود ظل سبحانی معبد کی اس حرکت سے متعجب تھے آخر اس کے رونے کا سبب دریافت کیا گیا۔ تو اس نے کہا۔ کہ حضور یہ تختہ ہمارے پیغمبر زردشت کے خلیفہ حکیم جاماسپ کا بنایا ہوا ہے۔ حکیم جاماسپ نے تمام دنیا کا زائچہ قائم کر کے معلوم کیا تھا کہ دنیا میں آئندہ کیا کیا ہونے والا ہے اور پھر ان زائچوں کو کندہ کرا کے تختوں میں جڑوا دیا۔ اور ان تختوں کو ایک محفوظ مکان میں جس کا نام انہوں نے "پیکر کائنات" رکھا تھا نصب کرا دیا۔ ہر اقلیم اور ملک کا تختہ علیحدہ تھا۔ لیکن اب ان تختوں کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ اس تختہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندوستان کے متعلق ہے۔ جس کو کسی زمانہ میں کوئی ایرانی اپنے ہمراہ یہاں لے آیا ہوگا۔

ظل سبحانی نے گھبرا کر دریافت کیا دیکھو ہمارے ملک کی بابت اسمیں کیا لکھا ہے۔ معبد بولا حضور میرے دل کی اسوقت عجب حالت ہے۔ اپنی قوم کا اگلا وقت مجھے یاد آرہا ہے۔ جس سے بے اختیار آنسو امڈے چلے آتے ہیں۔ آپ مجھکو مہلت دیں کل غور سے دیکھ کر عرض کر دونگا۔ بادشاہ نے اس کی درخواست منظور کی اور دربار برخاست کر دیا۔ دوسرے دن دربار پھر آراستہ ہوا۔ اور معبد صاحب حاضر ہوئے۔ آج انہوں نے غور کر کے بتایا کہ ہندوستان کی نسبت

اس زائچہ میں نہایت باریک باتیں لکھی ہیں۔ جنکا معلوم ہونا حساب کے درست ہونے پر موقوف ہے۔ اگر میں کوئی فیصلہ کروں تو خیال نہ کیجئے گا۔ کہ یہی درست ہے ممکن ہے کہ اس کے خلاف ہو۔

زائچہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک پر ہمیشہ غیر علاقہ کے آدمی حکمرانی کرینگے۔ جن میں انقلابات جلدی جلدی ہونگے۔ عرب کے مذہب کی کئی قومیں اس ملک کے تاج و تخت کی مالک بنیں گی۔ آخر ایک درویش بادشاہ کے زمانہ میں عربی مذہب کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پھر یہاں ایک ایسے بادشاہ کا زمانہ آئے گا جس کی تلوار دس ہزار گز لمبی ہو گی اور جو بجلی کے تخت پر بیٹھکر حکمرانی کرے گا۔ آگ کے حروف سے پانی کے کاغذ پر اس کے فرمان لکھے جائیں گے۔ وہ بات نہیں کرے گا۔ مگر اس کی آواز ہزاروں کوس آن کی آن میں پہنچ جائے گی۔

جب ہندوستانی تخت اس بادشاہ کو ملے گا۔ عربی مذہب کا درویش بادشاہ اور اس کا خاندان بڑی تکلیفیں اٹھائے گا۔ درویش بادشاہ کو نمکین پانی کے جیل خانہ میں قید کیا جائے گا اس کی اولاد تخت گاہ میں ذبح کیجائے گی۔ اور باقی ماندہ بھیک مانگتی پھرے گی اور کوئی اس کو بھیک نہ دیگا۔ اس نسل کے آدمی کو کوئی شریف شخص اپنے پاس نہ آنے دیگا۔ آخر وہ درویش بادشاہ قید خانہ میں مر جائے گا اس درویش بادشاہ کا مذہب اس ملک میں چاروں طرف سے گھر جائے گا۔ اور ہندوستان کے بعض باشندے اس کو تباہ کرنے کے سامان کرینگے۔

جہاں پناہ زائچہ سے اور بھی بہت سی عجیب و غریب باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مگر میری زبان ان کے بیان کرنے سے رکتی ہے۔ شاید قدرت کو ان کا کھولنا منظور نہ ہو۔ مگر اتنا ضرور عرض کروں گا۔ کہ بجلی نشین بادشاہ کا ابتدائی زمانہ درویشی کے خلاف ہو گا۔

یہ حکایت ہمنے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ عرصہ ہوا جب دہلی کے ایک بوڑھے آدمی کی زبانی سنی تھی۔ اس کا مفہوم غالباً یہی ہے جس کو اوپر کے الفاظ میں ممکن ہے کچھ فرق ہو گیا ہو۔

پیشن گوئی کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ درویش بادشاہ پر عربی مذہب کا خاتمہ ہوگا۔ سو بہادر شاہ کے عہد میں جو بڑے صوفی بادشاہ تھے اسلامی حکومت کا چراغ خاموش ہو گیا۔ نیا بادشاہ جس کی تلوار دس ہزار گز کی بیان کی گئی ہے۔ انگریزی حکومت ہے جو ہزاروں گز پر اپنی توپ کے گولے پھینک کر تلوار کا کام لے سکتی ہے بجلی کا تخت اس کو میسر ہے۔ کیونکہ انگریزوں کی تاجداری کا دارومدار برقی کاروبار پر ہے۔ آگ کے حروف سے پانی کے کاغذ پر فرمان اشارہ ہے۔ آگ اور بھاپ کے کاروبار جو شاہی فرمان کی طرح چل رہے ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام پر آج کل ہندوستان کے بعض فرقے حملے کر رہے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۷ ملاحظہ کیجئے)

شاید وہ بیدار ہو کر اس راحت سے حصہ پا سکیں اور لے نورانی دل میں رہنے والے جذبے تو جلدی بھڑک اور آنسوؤں کی شکل میں نمودار ہو کر مسلمانوں کی پستی کو عروج سے تبدیل کر دے۔

خداوندا تو واقف ہے کہ اب مسلمانوں کی قوم میں ذوق و شوق کے آنسو ناپید ہیں ان کی تقدیر پلٹ گئی۔ اب تو ان کو لاوارث یتیموں کے آنسو بے ٹھکانا بیواؤں کے آنسو تین تین دن کے فاقہ کشوں کے آنسو۔ مقروضیت کی پریشانی کے آنسو۔ کس مپرسی کے آنسو۔ ان کے سوا اور کوئی مزیدار آنسو نصیب نہیں۔ ذلیل سے ذلیل قومیں جو کسی زمانہ میں ان کی محتاج تھیں اور آنسو بہا کر ان سے روٹی کا ٹکڑا حاصل کرتی تھیں آج ان کو چلوؤں رلاتی ہیں۔ اور ہنستی ہیں کیا اب کسی مسلمان کی آنکھ میں ایسا آنسو نہیں جو طوفان اٹھائے اور ان فتنہ خیز فتنوں کو ڈبو دے؟ ہے اور ضرور ہے صرف بارگاہ الٰہی سے ارشاد کی دیر ہے لہٰذا ہم اس سے زیادہ عاجزی سے عرض

حسن تغزل

(از مولانا شاد صابری حیدر آباد دکن)

چلا آتا ہے قاتل سر اڑاتا تیغ براں سے
جسے ہو جان پیاری وہ الگ ہو جائے میداں سے

کھلے پردے رہو یا رخ چھپائے اپنے داماں سے
جہاں میں روشنی پھیلی رہی رخ ہائے تاباں سے

تمنائیں تیرے دیدار کی ایسی بڑھیں آخر
نکل آئیں نگاہ شوق بنکر چشم حیراں سے

ہماری آرزو دیکھے جو قاتل نے گلے کاٹے
تمنائیں بہت روئیں لپٹ کر یاس عرماں سے

ذرا سی کشمکش میں ٹکڑے ٹکڑے ٹوٹ کر ہوگا
میرا دم ہے بہت نازک تمہارے عہد پیماں سے

تصور نے شبیہ یار کھینچی صفحۂ دل پہ !!
بنا سینہ ہمارا بتکدہ تصویر جاناں سے

میں ہر قطرے میں امواج محبت شاد پاتا ہوں
محبت کیوں نہ ہوگی قطرہ ہائے بحر طوفاں سے

تجلیات

(از حضرت حیدر دہلوی)

مخزن خیال کے محاسن کے مقابلہ میں اسکی قیمت بہت کم ہے۔ فاروقی صاحب کی ہمت قابل داد ہے کہ اس کساد بازاری کے زمانہ اتنا اچھا اور دیدہ زیب پرچہ ایک روپیہ سالانہ میں دے رہے ہیں۔

(حیدر دہلوی)

تکلف بصد احتساب اٹھ رہا ہے!
یکے بعد دیگر حجاب اٹھ رہا ہے!

نظر اٹھ رہی ہے نقاب اٹھ رہا ہے!
کہ دونوں طرف سے حجاب اٹھ رہا ہے!

فنا ہو چکا ہے جو دریا میں قطرہ!
دوبارہ بہ شکل حباب اٹھ رہا ہے!

خراماں خراماں قدم اٹھ رہے ہیں!
کہ گر گر کر آج آفتاب اٹھ رہا ہے!

ابھی غیر محسوس طرف نظر ہے!
ابھی رفتہ رفتہ حجاب اٹھ رہا ہے!

کچھ حد ہے اس آشیاں دشمنی کی!
بگولا ابھی برق انتساب اٹھ رہا ہے!

نظر آگیا کون نور مجسم!!!
کسے دیکھکر آج آفتاب اٹھ رہا ہے!!

قریب آگئی حد تمکین و تسکین!!
اگر دور دل کامیاب اٹھ رہا ہے!

سنا ہے کہ حیدر کا وقت آخری ہے!
جہاں سے وہ رند خراب اٹھ رہا ہے!

اُجڑا ہوا کاشانہ

(مسٹر رضی الدین احمد رضیؔ میرٹھی - از طبیہ کالج دہلی)

کیف پاتا ہوں تیری آنکھ میں پیمانہ کا
میرے ساقی مجھے ارماں نہیں میخانہ کا

ہوش جاں کا نہ خبر تن کی خدا خیر کرے
حال ابتر ہے بہت آپ کے دیوانے کا

سر بکف میں ہوں، اُدھر تیغ ہے عریاں دیکھو
کوئی موقع ہے بھلا آپ کے شرمانے کا

مانا اشکوں سے بہا دے گی چمن کو بلبل
سوچ لے حال جو ہوگا تیرے کاشانے کا

آشیاں! آشیاں!! کہہ کہہ کے میں چونک اٹھتا ہوں
جب خیال آجاتا ہے اجڑے ہوئے کاشانہ کا

آؤ! آؤ!! دلِ تاریک کو روشن کر دو
آج تو دیکھ لو منظر کسی ویرانے کا،

اے رضیؔ کچھ نہیں دنیا میں بجز مکر و فریب!
نہ یگانہ کا بھروسہ ہے نہ بیگانے کا

بیانِ غم

(جناب عبد المجید حیرتؔ)

عجب کیا جو مائل بفریاد ہوں میں
فرشتہ نہیں آدمی زاد ہوں میں

وہی درد کی داستاں ہوں ابھی تک
ابھی تک وہی غم کی روداد ہوں میں

مقدر میں یہ دیکھنا بھی لکھا تھا
کہ اجڑے وہ گھر جس میں آباد ہوں میں

خوشا بخت ہوں تو نظر میں کسی کی!
بلا سے اگر خانہ برباد ہوں میں

جوانی میں پابندیاں بڑھ رہی تھیں
مگر میں یہ سمجھا کہ آزاد ہوں میں

یہ مانا کہ ہوں ماضی کا ایک قصہ
زمانے کو اب تک مگر یاد ہوں میں

سلامت رہا یا رہا پر بریدہ
بہر حال ممنونِ صیاد ہوں میں

اسیری میں لطفِ جفا لے رہا ہوں
وہ پروردۂ ذوقِ بیداد ہوں میں

یہ میرا ہی حیرتؔ مگر حوصلہ ہے
کہ ناشاد ہوتے ہوئے شاد ہوں میں

(مرسلہ حافظ وصی الحسن صاحب انصاری)

پرسش ملال

(حضرت جگر مراد آبادی)

حال بھی، ماورائے حال بھی ہے ! عشق ممکن بھی ہے محال بھی ہے
بے جمالی بھی ہے اک جمال بھی ہے! ہجر تنہا نہیں وصال بھی ہے!
پھر بھی تجھ سے ہزار شکوے ہیں! جانتا ہوں ترا خیال بھی ہے!
کرتے جاتے ہیں صاف عذر کرم اور پھر پرسش ملال بھی ہے!!
دور ہٹنا نہ منزل دل سے وصل بھی مے میں، وصال بھی ہے!
حسن کے ہر جمال میں پنہاں ! میرے رعنائی خیال بھی ہے !
ہر ستم ہے کرم کے پردے میں! اس ستم کی کوئی مثال بھی ہے!
دل تو برباد کر کے بیٹھا ہوں !! کچھ خوشی بھی ہے کچھ ملال بھی ہے
چھائے جاتے ہیں درد دل بن کر! اتنی تاکید ضبط حال بھی ہے !

لاکھ رسوا سہی جگر لیکن
خوش نظر بھی ہے خوش خیال بھی ہے

مجھ پہ آسان خدا منزل عقبیٰ کر دے

(مولانا اعجاز قریشی۔ ازہوچہانی)

بے نقاب آج تو پھر چہرۂ زیبا کر دے طالب دید کو مسجود تمنا کر دے!
حسرت دید میں دم توڑ رہا ہے کوئی او جفاکیش ذرا آ اسے اچھا کر دے!
میری الفت ابھی محتاج کرم ہے اے دل تیرے صدقے ذرا اظہار تمنا کر دے!
وہی حسرت ہے جو تا حشر نہ دل سے نکلے وہ ارماں ہے جو برباد تمنا کر دے!
اے جنوں! رحم کہ حالت ہوئی جاتی ہے سوا پردہ رکھ لے یا مجھے وقف تماشا کر دے!
کوچۂ دشت نوردی تو رہی ایک طرف عشق وہ چیز ہے منت کش دنیا کر دے
آبرو ہاتھ ہے تیرے اے جنون الفت تیرا یہ جوش نہ رسوائے زمانا کر دے

آخری ایک یہی ہے مری خواہش اعجاز
مجھ پہ آسان خدا منزل عقبیٰ کر دے!

ایک عجیب و غریب نایاب نسخہ

جس کے شاید آپ بھی متلاشی ہوں!

فی زمانہ ہر جگہ "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" کا منظر پیش نظر ہے مگر ہر فرد و بشر کو حضور صلعم کا فرمان یاد رکھنا چاہئے۔ "اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُہْلِکُ" یعنی راستبازی باعث فرحت اور جھوٹ موجب ہلاکت ہے۔ اخبار بین حضرات سے مخفی نہیں کہ بندہ کا ایک نسخہ طلاء بعنوان ایک عجیب غریب نایاب نسخہ ملک کے کثیر الاشاعت اخبارات میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا ہے جس کو پبلک نے خود بنا کر یا بندہ سے تیار شدہ طلاء منگا کر زبردست الفاظ میں تصدیق اور تعریف فرمائی ہے علاوہ ازیں مختلف اطراف ملک کے ڈاکٹر و حکماء نے ازرہ قدردانی آڈر دے کر حوصلہ افزائی کی۔ اب بعض احباب کا اصرار ہے کہ اپنی مشہور دوائے خوردنی **مفرح بہار شباب** (رجسٹرڈ) کا نسخہ بھی شائع کراو لہذا اس پارۂ جگر کو بھی خلق خدا کی بہتری کے لئے قربان کیا جاتا ہے جو لوگ سینکڑوں روپے برباد کرکے بھی صحت کے گوہر مقصود سے محروم ہوں اسے خود اپنے ہاتھوں تیار کرکے دامن امید کو گوہر مراد سے بھر لیں اور بندہ کو دعائے خیر سے یاد کریں۔ چند خوراک سے جریان، رقت، سرعت، کثرت احتلام، ضعف دل، دماغ، جگر، گردہ، مثانہ، معدہ ضعف باہ ہر قسم کی کمزوری سستی نامردی وغیرہ کو دور کرکے بدن میں خون صالح بکثرت پیدا کرتی ہے جس سے بدن مثل کندن اور چہرہ برگ گلاب کی مانند نکھر آتا ہے مادہ تولید اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ جس کی روک تھام ناممکنات سے ہے الغرض گئے گذرے مایوس مریض کے ناکارہ بدن میں از سر نو روح زندگی پھونک کر لوہا لاٹھہ بنا دیتی ہے۔ آدمی صحیح معنوں میں مرد بلکہ قابل فخر مرد کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے اور نسخہ بھی گرما و سرما ہر موسم میں قابل استعمال ہے موسم گرما کے لئے اگر اسے تحفۂ گرما کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ اس کے استعمال سے طبیعت میں فرحت رہتی ہے۔

نسخہ موصلی سفید۔ ست برگ برگد۔ زعفران کشمیری۔ موصلہ درخت سنبل۔ کف ابابیل مصری۔ ستاور۔ مایہ شتر اعرابی کشتہ مرجان ثمر درخت ببول خورد ہر ایک ۶ ماشہ مروارید ناسفتہ بروح گلاب سحق کردہ کشتہ نقرہ اسراری کشتہ قلعی۔ کشتہ فولاد اسراری ہر ایک ۳ ماشہ کشتہ یاقوت سرخ ۲ ماشہ مشک ۲ ورقی۔ شقاقل مصری ثعلب مصری خستہ کمرکس۔ مغز تخم تمر ہندی۔ ست بوہیلی۔ چیرونجی۔ تخم کنگھی۔ تخم ملکھانہ ناریل تازہ ہر ایک ایک تولہ آرد سنگھاڑا ۳ تولہ عرق پان ۳ تولہ عرق مچھی ۳ تولہ ان میں سے کوفتنی ادویات کو کوٹ پیس کر باریک چھان لیں پھر اس میں کشتہ جات آمیز کرکے عرقیات میں کھرل کریں اور حبوب بقدر نخود تیار کریں دو حب ہمراہ دودھ گائے تازہ یا جوش دادہ نیم سیر علی الصبح نوش کریں گرم ترش اشیاء قابض اغذیہ سے پرہیز لازمی ہے تمام اجزاء کا اصلی اور تازہ ہونا لازمی ہے جو جز نسخہ اصلی اور عمدہ نہ مل سکے تو بندہ سے طلب کریں۔

اطلاع

مفرح بہار شباب پورے اجزاء اور صرفِ کثیر و
محنت سے تیار شدہ ہمارے ہاں بھی ہر وقت موجود رہتی ہے
ایک شیشی مریض کو کافی ہے۔ قیمت صرف چار روپے۔ علاوہ محصول ڈاک۔

عجیب و غریب طلاء (رجسٹرڈ)

یہ وہی طلاء ہے کہ جس کا حوالہ پہلی دو تین سطروں میں دیا جا چکا ہے۔ چربی شیر، چربی سانڈہ۔ چربی ریچھ، جند بید ستر، مشک، جونک، خراطین (کینچوے) اس کے خاص لخاص اجزا ہیں۔ جونک۔ خراطین (کینچوں) وغیرہ اجزا میں بڑھنے اور پھیلنے کی ایک خاص طاقت ہوتی ہے جو جذب ہو کر خوب فربہت اور درازی لاتی ہے کجی لاغری کوتاہی ناہمواری رگوں پٹھوں کی کمزوری رگوں کا ابھر آنا غرضکہ جملہ شکایات سستی نامردی کمزوری کو دو ہفتہ عد تین ہفتہ میں بلا تکلیف یعنی بلا آبلہ دور کر کے مردِ کامل بنا دیتا ہے بجائے اسکے کہ آپ سستے داموں طلا خرید کر عمر بھر تختۂ مشق بنے رہیں بہتر کہ ایک ہی مرتبہ پیسے خرچ کر کے عجیب و غریب طلاء منگا کر ہمیشہ کے لئے تمام نقائص سے نجات حاصل کریں ایک شیشی جو ایک مریض کو کافی ہے قیمت تین روپے آٹھ آنے علاوہ محصول

خاص رعایت

جو اصحاب مفرح بہار شباب اور عجیب غریب طلاء یکجا طلب کرینگے انہیں ہر دو ادویہ صرف صہ میں روانہ کیجائیگی قیمت پیشگی آنے پر محصول ڈاک پیکنگ ہمارے قواعد کے موافق معاف ادویہ بذریعہ رجسٹرڈ پارسل ارسال ہوگی

نوٹس

"خاص رعایت" کے عنوان سے اوپر کا تمام مضمون اشتہار معہ نام ادویہ اور عنوان گورنمنٹ آف انڈیا سے رجسٹرڈ ہے کوئی صاحب جزوی یا کلی نقل اڑا کر پبلک کو دھوکہ نہ دیں ورنہ مستوجب سزا ہونگے نیز پبلک کو بھی چاہئے کہ اصلی ادویات حاصل کرنے کیلئے ہمارا پتہ اور ادویہ کا نام و عنوان اشتہار خوب یاد رکھیں۔ "کہتی ہے ہم کو خلق خدا غائبانہ کیا"

بوجہ عدم گنجائش یہاں صرف چند تصدیقی خطوط کے خلاصے درج کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:-

"جناب ذوالفقار حسن صاحب پولیس ٹریننگ سکول حیدر آباد سے قمطراز ہیں کہ میرے دوست کو جریان سے بالکل آرام ہے ایک اور دوست کیلئے دوا جلد روانہ کریں۔ دوائیں اس کے نام پر آنی چاہئیں جناب ابوالحسن صاحب مقام دھندیال پور ضلع سارن سے ہمارے تحریر فرماتے ہیں کہ میں اپنے مرض سے نا امید ہو گیا تھا کہ آپکے طلاء و نسخہ سے صحت پائی۔ جناب شرف الدین خان صاحب بندر روڈ کراچی سے تحریر کرتے ہیں کہ مجھے اطمینان ہو گیا ہے کہ آپکی تمام ادویات عمدہ اور قابل تعریف ہیں جناب محمد آصف خان صاحب محلہ کبیر پورہ بھاگل پور سے تحریر فرماتے ہیں کہ آپکے طلاء مفرح بہار شباب نے کرشمہ دکھایا براہ عنایت دونوں بذریعہ قیمت طلب پارسل جہاں تک جلد ہو سکے روانہ کریں ایک دوست کیلئے درکار ہیں۔ ڈاکٹر اور حکما میں مقبولیت کا عالم جناب ڈاکٹر احمد گل صاحب انچارج کینال ڈسپنسری شیوہ ضلع پشاور سے رقمطراز ہیں کہ مفرح بہار شباب و عجیب غریب طلاء جس مریض کیلئے منگائے تھے بہت مفید ثابت ہوئے ہمیشہ آپ سے منگایا کرونگا۔ جناب ڈاکٹر اشرف بیگ صاحب ڈنری دھولپور (راجپوتانہ) سے تحریر کرتے ہیں طلاء فائدہ مند ہے ایک شیشی اور ارسال فرمائیں جناب ڈاکٹر کے۔ بی صاحب اسنول ضلع بردوان بنگال تحریر فرماتے ہیں کہ تین شیشی مفرح بہار شباب جلد ارسال کریں جناب کنج بہاری لال صاحب میڈیکل آفیسر اندر گڑھ سے قمطراز ہیں کہ دو شیشیاں طلاء جلدی روانہ کریں مشکور ہوں گا۔ جناب حکیم عبدالحی صاحب ناظر الاطبا شاہی حکیم حیدر آباد دکن سے تحریر فرماتے ہیں ایک شیشی طلاء بذریعہ وی پی روانہ کریں۔ جناب حکیم قادر بخش صاحب (مذبح خانہ) کاندہ گلی رنگون سے تحریر فرماتے ہیں۔ دو شیشی طلاء اور ارسال کریں۔

ملنے کا پتہ

مینیجر آفتاب زندگی (رجسٹرڈ) بہاولپور سٹیٹ بہاولپور (انڈیا)

نقد و نظر

(از عبد الحق)

خون کے آنسو

ہندوستانی مسلمانوں کی قومی مذہبی زندگی قابل افسوس ہے۔ ان کو اچھوت سمجھا جاتا ہے۔ وہ ذلیل و خوار ہیں۔ اور وہ ہلاکت و تباہی سے کیسے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

اس موضوع پر مولانا اشفاق حسین مراد آبادی نے یہ کتاب "خون کے آنسو" لکھی ہے۔ مصنف کا دعوی ہے کہ جو شخص اس کتاب کو ایک مرتبہ پڑھ لیگا اور عمل بھی کریگا وہ غریب نہیں رہ سکتا۔

۱۲۵ صفحے ہیں، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت صرف ۵ر ایک جلد کے خریدار کو بجائے وی۔ پی منگانے کے ٹکٹ ارسال کرنے چاہیں۔

ملنے کا پتہ۔ منیجر محشر خیال دہلی!!

لوشن تورانی

منیجر صاحب "تورانی دواخانہ" کالوپور احمد آباد نے ہمارے پاس "لوشن تورانی" کی تین شیشیاں بغرض ریویو روانہ کی ہیں۔ ہم نے اس لوشن کا تجربہ کیا ہے، یہ امراض ذیل میں بہت مفید اور کار آمد ہے۔

درد سر۔ جھلسے۔ دانت کا درد۔ داد۔ خشکی۔ درد کمر سر سے پاؤں تک کے تمام امراض کے لئے بہت مفید ہے۔

ایک شیشی کے اندر پندرہ روز تک کے استعمال کا لوشن دیا جاتا ہے، اور کمال یہ ہے کہ قیمت بہت کم یعنی صرف ۶ر آنے۔

ملنے کا پتہ

تورانی دواخانہ، کالوپور، احمد آباد!

رسالہ ہمدرد صحت دہلی

ہمدرد دواخانہ دہلی کے مالک جناب حاجی عبد المجید صاحب نے فن طب کی ترقی کیلئے یہ رسالہ جاری کر کے ہندوستان پر احسان کیا ہے، اس رسالہ کے اجرا کا مقصد روپیہ کمانا نہیں بلکہ فن طب کی نشر و اشاعت کے لئے ایسے عمدہ رسالہ کی قیمت بھی اس لئے صرف ایک روپیہ سالانہ رکھی ہے، جو اسکی خوبیوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے حسن تندرستی کی بقا کیلئے بہترین مضامین اور تصاویر شائع ہوتی ہیں، لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ، ٹائیٹل بہت خوبصورت اور رنگین، ملنے کا پتہ

دفتر ہمدرد دواخانہ لال کنواں دہلی،

سالنامہ ہونہار دہلی

چندہ سالانہ ۱۲ر پتہ "ہونہار دہلی"

مسٹر فیاض حسین نسیم نے رسالہ ہونہار" بچوں کے لئے جاری کیا تھا، جنوری میں سالگرہ نمبر شائع کیا ہے، جس میں بچوں اور لڑکیوں کیلئے بہت عمدہ مضامین ہیں، لکھائی چھپائی بہتر ہے۔ آٹھ دس تصاویر ہیں، ملک کو ایسے رسائل کی قدر کرنی چاہئے۔

رسالہ جمالستان" دہلی

قیمت سالانہ تین روپیہ

ملنے کا پتہ رسالہ جمالستان دہلی

یہ ادبی رسالہ مسٹر مظہر انصاری دہلوی نے ابھی حال میں جاری کیا ہے، جس میں بہت عمدہ افسانے لکھے گئے ہیں اور قابلیت سے ترتیب دیا گیا ہے، لکھائی چھپائی بھی عمدہ ہے۔ کاغذ بھی اچھا ہے۔ تصاویر بھی ہیں ۴۸ صفحے ہیں

رسالہ شفق" دہلی

قیمت سالانہ سے ۲ روپیہ فی پرچہ ۳ر

ملنے کا پتہ رسالہ شفق دہلی

سنہ ۳۲ء بھی بڑا ہی مبارک سال ہے کہ جس کے شروع ہوتے ہی دہلی سے بہت سے رسائل جاری ہو گئے ہیں اور کامیاب بھی ہو رہے ہیں۔ رسالہ شفق بھی حال میں جاری ہوا ہے یہ رسالہ بھی ادبی ہے، جو مسٹر ظفر تاباں اندر فدا حسین صاحب نے جاری کیا ہے۔ (باقی صفحہ ۴۴ پر)

نجات حاصل ہونے کا واحد طریقہ

مایوسی بدترین گناہ ہے۔ دنیا امید پر قایم ہے۔ اچھے برے اس سنسار میں سب ہی آباد ہیں

آزمایش بہترین کسوٹی ہے

جو صاحب کسی ایسے الجھے ہوئے اور پیچیدہ مرض میں مبتلا ہوں جنہیں آرام ہوتا ہی نہ ہو۔ یا جو صاحب علاج کرتے کرتے تھک گئے ہوں وہ ایک دفعہ **درویشی دواخانہ** کے مجربات بھی آزما کر دیکھیں میں خدائی کا دعوے تو نہیں کرتا صرف اتنا عرض کرتا ہوں دوا اور دعا میں اب بھی وہی اثرات ہیں جو پہلے تھے ہماری بعض دوائیں تو ایسی جادو اثر ہیں کہ پہلی دوسری خوراک میں مریض سے خود کہلوا لیتی ہیں کہ وہ ہوا اثر اب بھی جن صاحب کو یقین نہ آئے وہ **دہلی** تشریف لے آئیں کیسی ہی کمزوری ہو، جریان ہو ایک ہفتہ میں اچھا کر کے گھر بھیجدوں گا بشرطیکہ پیدائشی ہی نہ ہوں۔ دوا کی قیمت مسجد میں لوں گا اس مرض کے واسطے اکسیری درویشی طلا قیمت عہ/

معجون شاہ ناز

یہ وہ معجون ہے جس پر دوا خانہ کو ناز ہے جس قدر فخر کیا جائے کم ہے شاہان دہلی کے استعمال کرنے کی چیز ہے مشک عنبر و بیش بہا جواہرات ڈالے جاتے ہیں پچاس دواؤں پر مشتمل نسخہ ہے بڈھوں کو جوان کرنے والی چیز ہے شباب پھر واپس آجاتا ہے۔ بغیر کسی شکایت کے استعمال کرنے سے جسم فربہ بن جاتا ہے منگا کر قدرت خدا کا تماشہ دیکھیے بڑے بھروسہ کی چیز ہے ۸ر تولے کی شیشی ۲۰ خوراک للعہ/

عورتوں کے ہفت ایام

عورتوں کے واسطے ایک مصیبت ہن وقت پر نہ ہونا رک رک کر ہونا یا بالکل نہ ہونا یا تکلیف اور درد سے ہونا ہسٹریا و غشی کے دورے ہونا بے زبان عورتوں کو زندہ درگور کر دیتے ہیں یہ بیماری عورت کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے چہرہ زرد و بے رونق ہو جاتا ہے ہماری یہ عورتوں کی دوا ایسی مجرب ہے کہ ایک شیشی میں سب مرض فنا ہو جاتے ہیں۔ قیمت بہت کم رکھی ہے۔ بیس خوراکوں کی قیمت صرف عہ/

ان دواؤں کا اور ان کے علاوہ تمام دواؤں کے

صورت نواز

دنیائے حسن کا عجیب و غریب تحفہ ہے انسان کی کایا ہی پلیٹ ہو جاتی ہے چہرے کے داغ دھبے چھائیاں مہاسے دور ہو جاتے ہیں یہ دوا محلات شاہی کو حکیم احسان اللہ خاں استعمال کرایا کرتے تھے ہر گھر میں رہنے کے لایق چیز ہے۔ ایک دفعہ منگا کر دیکھیے۔ حسن دوبالا ہو جائے گا۔ بہت خوشبودار ہے۔ قیمت فی شیشی عہ/۔ درویشی دواخانہ دہلی سے منگائیے۔

ملنے کا پتہ

درویشی دواخانہ جنگ پورہ دہلی

بقیہ صفحہ نقد و نظر ملاحظہ کیجئے؟

ادبی مضامین اور افسانے اچھے اچھے جمع کئے گئے ہیں ٹائٹل کا بلاک اگرچہ مختصر ہے، مگر جاذب نظر ہے، دو تصویریں بھی دی گئی ہیں، رسالہ اچھا ہے، ہماری دعا ہے کہ سب رسائل کامیاب ہوں اور ادبی خدمت کریں ۱۱

Regd. ... 3318

THE MAH... -KHAV...

BEST ILLUSTRATED MONTHLY MAGAZINE

No. 3 | DELHI. ... 19..